حدائقِ بخشش (تصحیح شدہ)

کا جائزہ

ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرؔر مصباحی مُبارک پوری

مُرتب

ڈاکٹر احمد جمال (ایم ڈی)

امام احمد رضا اکیڈمی بریلی کے زیر اہتمام طبع شدہ

اور

مولانا محمد احمد مصباحی کے نظر ثانی کردہ دیوان

حدائق بخشش (تصحیح شدہ) کا جائزہ

دیگر مشمولات

(۱) مدیر نعت رنگ کے نام مکتوب

(۲) مدیر دبستان نعت کا مکتوب اور اس کا جواب

(۳) ڈاکٹر اشفاق انجم مالیگانوی کے نام کھلا خط

(۴) ایک علمی مصاحبہ

(۵) حرف روی

از

ڈاکٹر فضل الرحمن شرؔر مصباحی مبارک پوری

مرتب

ڈاکٹر احمد جمال (ایم ڈی)

نام کتاب	:	حدائق بخشش (تصحیح شدہ) کا جائزہ
مصنف	:	ڈاکٹر فضل الرحمن شررؔ مصباحی مبارک پوری
مرتب	:	ڈاکٹر احمد جمال (ایم ڈی)
صفحات	:	۱۱۲
سنہ اشاعت	:	اگست ۲۰۲۱ء
تعداد	:	۱۱۰۰ (گیارہ سو)
قیمت	:	۱۲۰/روپے
پرنٹنگ	:	نیو انڈیا آفسیٹ پرنٹرس ۱۲۳۱، چوڑی والا، جامع مسجد، دہلی-۶
ناشر	:	منظر سعید

Book Name	:	**Hadaique Bakhshish (Tasheeh Shuda) Ka Jayiza**
Written by	:	Dr.Fazlur Rahman Sharar Misbahi Mubarakpuri
Compiled by	:	Dr.Ahmad Jamal(M.D)
Pages	:	112
Published in	:	August 2021
Published by	:	Manzar Sayeed
Price	:	Rs. 120/-
Printed at	:	New India Offset Printers-1231, Choori Walan, Jama Masjid, Delhi-6

ملنے کے پتے:
- ڈاکٹر احمد جمال، قمر ہاسپیٹل سمودھی روڈ، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ
موبائل نمبر: 9795168255
- منظر سعید، ای۔ ۲۴۴/ پی، اسٹریٹ نمبر ۲۳، شاہین باغ اوکھلا، نئی دہلی۔ ۲۵
موبائل نمبر:9891955786

فہرست مضامین

انتساب

رفیق محترم شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی اختؔر مصباحی

کے نام

جنھوں نے سب سے پہلے "مصباحی" لاحقہ سے روشناس کرایا

اور

ان تمام مصباحیوں کے نام جو اپنی دینی، علمی اور ادبی خدمات کے ذریعے
اس مبارک نسبت کو چار چاند لگا رہے ہیں۔

شررؔ مصباحی

عرض ناشر

زیرِ نظر کتاب سے پہلے والد محترم کی درج ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں:
نمودِ سحر، ظہورِ قدسی، محاسبے، معارضہ بر محاسبے کا محاسبہ، غمزۂ چشم ہمزہ۔
عنقریب درج ذیل کتابیں اہل علم کی میز پر ہوں گی:
(۱) مقالاتِ شرر حصہ اول مسمی بہ ''نقد و نظر''
(۲) تذکار۔ یہ اُن مضامین کا مجموعہ ہے جو ماہنامہ جام نور دہلی کے ''تذکار'' کالم میں شائع ہو چکے ہیں۔
(۳) منظوم کلام
امید کہ ''نقد و نظر'' ستمبر، اکتوبر ۲۰۲۱ء تک اور (۲) و (۳) کی اشاعت سال رواں کے آخر تک عمل میں آئے گی۔

منظر سعید

عرض مرتب

والد محترم ڈاکٹر ایف آر شرر مصباحی کی مطبوعہ تصانیف میں یہ چھٹی کتاب ہے۔ ہوا یہ کہ ۲۰۱۴ء میں ''غمزۂ چشم ہمزہ'' کی اشاعت کے بعد امید تھی کہ دو فرزندان اشرفیہ کے درمیان ابحاث کا سلسلہ ختم ہو جائے گا لیکن کتاب شائع ہونے کے بعد مولانا محمد احمد مصباحی بھیروی نے خط کے ذریعے ایک دھما کا کرڈالا کہ شرر مصباحی کی تحریر اشرفیہ مخالف ہے۔ یہ بات نہ صرف ایک بات تھی بلکہ اُن ساری خدمات پر پانی پھیر دینے کے مترادف تھی جو ۱۹۷۱ء کے دوران حافظ ملت علیہ الرحمہ کے مبارک پور چھوڑنے کے ارادے اور انھیں ہر قیمت پر اشرفیہ کی باگ ڈور سنبھالے رہنے کے تعلق سے تھیں۔ خود اس کا اعتراف مولانا بھیروی کو بھی ہے کہ ''آپ (والد محترم) اور مولانا ممتاز احمد اشرف القادری مبارک پوری نہ ہوتے تو حافظ ملت مبارک پور کو خیر باد کہہ چکے ہوتے''۔ (جام نور دہلی میں اس کی تفصیل شائع ہو چکی ہے) اس لئے ''غمزۂ چشم ہمزہ'' کی اشاعت کے بعد مولانا بھیروی کے مکتوب کا جواب ''غالب برانہ مان'' کے عنوان سے والد محترم نے دیا، اس کے بعد مولانا بھیروی کی طرف سے کوئی آواز سنائی نہیں دی، پھر ۲۰۱۸ء میں عرس حافظ ملت علیہ الرحمہ کے موقع پر دونوں فرزندان اشرفیہ کو ''حافظ ملت ایوارڈ'' دیے جانے کا اعلان ہوا جو ان دونوں بزرگوں کی اشرفیہ کے تئیں عظیم خدمات کا گویا صلہ تھا۔ عین ایوارڈ دیے جانے کے دن والد محترم نئی دہلی کے اسکاٹس ہارٹ انسٹی ٹیوٹ میں ایڈمٹ تھے۔ آپ کی انجیوگرافی ہو رہی تھی، لہٰذا یہ ایوارڈ اسٹیج سے میں نے حاصل کیا۔ والد محترم اور مولانا بھیروی کے درمیان ذاتی تعلقات ہمیشہ قائم رہے، ۲۰۱۴ء میں علمی اختلاف کی وجہ سے کچھ شکر رنجی ضرور پیدا ہو گئی تھی جو پائدار نہیں تھی۔ ۲۰۲۰ء میں حضرت سربراہ اعلیٰ کے آفس میں حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی (مفتی ادارہ) اور مولانا مصباحی بھیروی نے والد صاحب کو اپنی تصانیف پیش کیں جسے ہم نے ''گزشتہ را صلوات'' کی نظر سے دیکھا۔

مگر بریلی کے چند اہل علم (جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے خانوادے سے نہیں ہیں) کے اذہان میں ''غمزۂ چشم ہمزہ'' والا ماحول طاری تھا وہ اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ چناں چہ انھوں نے ''حدائق بخشش'' کی جیسے تیسے تصحیح کر کے اسے نظر ثانی کے لئے مولانا بھیروی کے پاس بھیج دیا اور کتاب میں چھاپ دیا کہ مولانا بھیروی نے فائنل پروف کو از اول تا آخر پڑھا۔ ان کی نظر ثانی کے بعد اس کی اشاعت عمل میں آ رہی ہے۔ ظاہر ہے اس کے بعد بریلی والے بریٔ الذمہ ہو گئے اور آئی گئی مولانا بھیروی کے سر آ گئی۔ ہمارے خیر الاذکیا صاحب اس چال کو بھانپ نہ سکے جس کا نتیجہ اس کتاب کے مندرجات سے ظاہر ہے۔

''غالب برانہ مان'' میں ذکر کردہ ''مکتوب بنام حضرت سربراہ اعلیٰ'' کو شامل نہیں کیا گیا ہے جسے ضرورت ہو وہ حضرت سربراہ اعلیٰ کے آفس سے رجوع کرے۔

اور حضرت صدر الشریعہ و حضرت مصنف کے نسخوں میں جو فرق ہے اسے اسٹار (☆) سے ظاہر کر دیا گیا ہے، یہ افادۂ عام کے لئے ہے۔ پشتارۂ اغلاط سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

سال رواں ''دبستانِ نعت'' کے مدیر اعلیٰ محترم ڈاکٹر سراج احمد (پی ایچ ڈی) نے ''گنبد خضرا'' کی ترکیب کی صحت کے بارے میں استفسار کیا۔ یہ خالص علمی و تحقیقی مواد پر مشتمل ہے۔ والد محترم کا جواب مستفسر کے خط کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح مالیگاؤں ضلع ناسک کے معروف نقاد شاعر محترم ڈاکٹر اشفاق انجم (پی ایچ ڈی) نے اپنی چند تصنیفات بھیج کر اُن پر والد محترم سے اظہار خیال کی خواہش ظاہر کی۔ اظہار خیال کا مضمون طویل ہو گیا جو علمی حلقوں میں دلچسپی سے پڑھے جانے کے قابل ہے، اس لیے آں موصوف کے نام کا خط اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔

''حدائق بخشش'' کے تعلق سے نعتیہ ادب کے عظیم تجزیہ نگار، عالمی شہرت یافتہ مُجلّہ ''نعت رنگ'' کے مدیر اعلیٰ سید صبیح رحمانی حفظہ اللہ تعالیٰ کی ایک مؤقر تحریر موصول ہوئی ہے جو موصوف کے شکریہ کے ساتھ شائع کی جا رہی ہے۔

آخر میں قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اس کتاب کی کمپوزنگ میں صحت کا حتی المقدور خیال رکھا گیا ہے لیکن سہو و خطا کے امکان سے انکار نہیں، ارباب دانش اغلاط کی نشاندہی کر کے ممنون فرمائیں۔

ڈاکٹر احمد جمال (ایم ڈی)

حدائق بخشش (تصحیح شدہ) کا جائزہ

تاثرات

مولانا احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کا شمار اردو نعت کے قافلہ سالاروں میں ہوتا ہے۔ اُن کی نعتوں کا مجموعہ "حدائق بخشش" کے نام سے جب مطلعِ نعت پر جلوہ گر ہوا تو عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور وابستگانِ نعت کے لیے راحتِ فکر و نظر کا باعث ٹھہرا۔ عشق و محبت کی یہ دستاویز نہ صرف اپنے زمانے میں اہل ادب اور اہل دل کے لیے دامنِ کشِ دل ہوئی بلکہ مابعد زمانوں پر بھی اس نے گہرے اثرات مرتب کیے۔ اس مجموعے میں شامل کلام عشق و محبت کی نادر اور دل کش کیفیات کا مرقع ہے اور ساتھ ساتھ فنی اور تکنیکی اعتبار سے بھی انفرادیت کا حامل ہے۔ فکر و فن کی ثروت مندی کے باعث یہ مجموعہ ہمارے نعتیہ ادب کا مستقل عنوان قرار پایا اور کئی محققین و ناقدین نے اس کے مطالعات پیش کیے، اس کی شرحیں لکھی گئیں اور اس کے فنی و فکری محاسن کو اجاگر کرنے کی کوششیں ہوئیں جو تسلسل اور تواتر کے ساتھ اب بھی جاری ہیں مگر حیرت ہے کہ اس کا متن تدوینی آداب اور تحقیقی اصولوں کے مطابق مرتب نہ ہو سکا۔ کچھ اصحاب علم و فضل نے "حدائق بخشش" کی ترتیب و تہذیب کا کام کیا اور درست متن کی پیش کش کا دعویٰ بھی کیا مگر تسامحات اور اغلاط سے پاک متن پیش کرنے میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ یوں "حدائق بخشش" کی مختلف اشاعتوں میں متن کا اختلاف موجود رہا اور مرتبین و ناشرین کی غفلت شعاری اور سہل انگاری کے باعث جا بہ جا لسانی اور عروضی مسائل شاملِ متن ہو گئے۔ کئی اہلِ علم نے اس کی طرف توجہ دلائی اور اغلاط کی نشان دہی کی مگر غلط اشاعتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی نے "حدائق بخشش" کا تصحیح شدہ متن شائع کیا تو خوشی ہوئی کہ بالآخر عاشقانِ نعت کو "حدائق بخشش" کا مستند اور معتبر متن میسر آیا۔ یہاں وہاں اس کا والہانہ استقبال ہوا مگر افسوس! کہ یہ تصحیح شدہ متن بھی اغلاط و اسقام سے خالی نہیں۔ زبان و بیان و عروض کے ماہر اور نعت کے اہم محقق و ناقد ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی نے اس تصحیح شدہ متن کا جائزہ پیش کیا ہے اور نہایت محنت اور دیدہ ریزی کے ساتھ زبان و بیان اور عروضی اغلاط کی نشان دہی کر کے اس متن کے استناد و اعتبار کو سوالیہ نشان بنا دیا ہے۔ شرر مصباحی صاحب کا یہ جائزہ ایک سنجیدہ علمی کاوش ہے جو ناقدین و محققینِ نعت کے لیے دل چسپی کا باعث ہے اور "حدائق بخشش" کے حوالے سے کام کرنے والے طلبہ اور تحقیق کاروں کے لیے یقیناً منفعت رساں ہے۔ خدا کرے کہ یہ جائزہ "حدائق بخشش" کے فکری اور فنی پہلوؤں پر مزید مطالعات اور مستند متن کی پیش کش کا محرک ٹھہرے۔

سید صبیح رحمانی
مدیر نعت رنگ، کراچی، پاکستان
۶/ اگست ۲۰۲۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یادش بخیر!

غالباً ۱۹۹۶ء کے اوائل میں ''رضا اکیڈمی ممبئی'' کے سربراہ الحاج محمد سعید نوری نے مجھ سے کہا تھا کہ ''حدائق بخشش کا ایک دیدہ زیب نسخہ شائع کیا جانا ہے، تصحیح کی ذمہ داری آپ کی ہے۔ میں نے تعمیل حکم کرتے ہوئے ہند و پاک کے مطابع سے شائع شدہ جو نسخے حاصل ہو سکے، جمع کیے۔ اغلاطِ کتابت کی تصحیح کا کام شروع کیا اور بفضلہٖ تعالیٰ ۱۹۹۷ء میں یہ نسخہ شائع ہو گیا۔

جب مطبوعہ نسخہ مجھ تک پہنچا تو یہ دیکھ کر مجھے افسوس ہوا کہ اس میں بہت سے نشان زد اغلاط کی تصحیح رہ گئی ہے۔ (میں دہلی میں تھا۔ کاتب ممبئی میں) لہٰذا میں نے نوری صاحب کو خط لکھا، یہ خط ابھی ڈاک کے حوالے نہیں ہوا تھا کہ کسی نے فون پر بتایا کہ الحاج محمد سعید نوری صاحب دہلی آئے ہوئے ہیں۔ رضوی کتاب گھر میں تشریف فرما ہیں۔ میں تاخیر کیے بغیر مٹیا محل روانہ ہوا، حسن اتفاق کہ ماہنامہ ماہ نور کے آفس میں پیر طریقت سید ساجد ہاشمی، مولانا یٰسین اختر مصباحی اور نوری صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ میں نے نوری صاحب سے کہا کہ آپ کے نام ایک خط ہے اجازت ہو تو اِن حضرات کے سامنے پڑھ کر سناؤں؟ اجازت کے بعد میں نے پورا خط پڑھ کر ان کے حوالے کر دیا۔

تقریباً پندرہ برسوں کے بعد معلوم ہوا کہ ''امام احمد رضا اکیڈمی بریلی'' نے ایک دیدہ زیب اور پرکشش نسخے کی اشاعت کا ارادہ کیا ہے، یہ وہ وقت تھا جب میری کتاب ''غمزۂ چشم ہمزہ'' شائع ہو چکی تھی۔ جامعہ اشرفیہ کے اُس وقت کے صدر المدرسین (موجودہ ناظم تعلیمات) سے چند علمی امور میں میرا اختلاف تحریری طور پر سامنے آ چکا تھا۔ مولانا مصباحی نے ہمارے مابین اختلاف کو ہوا دے کر یہ تک کہنے سے دریغ نہیں کیا کہ شرر مصباحی کی تحریر اشرفیہ مخالف ہے۔ اس تحریر کے سامنے آتے ہی میں نے ایک احتجاجی خط الجامعۃ الاشرفیہ کے سربراہ اعلیٰ کو لکھا۔ یہ خط چند دیگر مشمولات کے ساتھ ''غالب بُرا نہ مان'' کے عنوان سے ستمبر ۲۰۱۴ء میں شائع ہو چکا ہے:

''غالب بُرا نہ مان......

یہ حقیقت آفتاب کی طرح روشن ہے کہ جامعہ اشرفیہ ایک ایسے ادارے کا نام ہے جو حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے مرتب کردہ دستورِ اساسی (رجسٹرڈ) کے تحت رواں دواں ہے جس میں مسلک سے لے کر تعلیمی، انتظامی اور مالی امور تک کی صراحت ہے۔ اشرفیہ سے تعلق رکھنے والا ملازم ہو، مدرس ہو، رکن ہو یا عہدہ دار، کسے باشد، ہر شخص اس دستور سے بندھا ہے، دستور سے بغاوت کرنے والا، اختلاف کرنے والا، دانستہ اپنے فرائض و اختیارات میں حدود سے تجاوز کرنے والا، اپنے اپنے درجۂ بغاوت و اختلاف اور نقطۂ عدول و انحراف کے بقدر ادارے کا مجرم ہے۔

گزشتہ عید الفطر کے موقع پر میں اپنے وطن مالوف مبارک پور میں تھا، مولانا محمد احمد مصباحی بھیروی صاحب کا ایک خط جناب ناظم اعلیٰ صاحب کے ذریعے موصول ہوا جو ''غمزۂ چشم ہمزہ'' کے تعلق سے تھا۔ یہ خط ۳۱/ جولائی ۲۰۱۴ء کا مرقومہ ہے۔ اس میں میری تحریر، مطبوعۂ 'غمزہ'' پر اشرفیہ مخالف ہونے کا سنگین الزام عائد کیا گیا ہے۔ میں نے ۳/ اگست ۲۰۱۴ء کو ایک احتجاجی خط ادارے کی سپریم اتھارٹی کے نام جناب ناظم اعلیٰ صاحب کے توسط سے ارسال کیا جس کی وصول یابی کی اطلاع ''آفس آف دی سربراہ اعلیٰ اشرفیہ'' سے تا ایں دم موصول نہیں ہوئی۔

مولانا بھیروی صاحب نے اپنا ۳۱/ جولائی کا محررہ خط عام کر دیا، اس کی کاپیاں مبارک پور کے عوام اور اشرفیہ کے طلبہ کے علاوہ دہلی کے مرکز تشہیر تک پہنچیں اس لیے میں بھی اپنا مکتوب بنام ''سربراہِ اعلیٰ'' مرقومہ ۳/ اگست ۲۰۱۴ء عام کرنے پر مجبور ہوا تا کہ غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے۔ مولانا بھیروی نے ''غمزۂ چشم ہمزہ'' (اشارت چشم ہمزہ

نگار من کہ بمکتب نہ رفت و خط ننوشت
بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد)

نام پر محلِ طنز کا شوشہ چھوڑ کر بے ادبی کے ارتکاب کا عندیہ دیا ہے۔ یوں طلبہ میں اپنے علم کا رعب جمانے اور احقر کو بے حیثیت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ موصوف کو چاہیے کہ اپنے سے زیادہ پڑھے لکھے اہل علم سے رجوع کریں، حیثیت معلوم ہوجائے گی۔ یہاں پر ''ہمزہ'' آں موصوف کے اختراع کردہ محل طنز میں نہیں ہے، جملے کی ساخت کسی اور مفہوم کی مشعر ہے جس کا رخ وہ پھیرنا چاہتے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ دیا گیا۔ دماغ کی قوت محرکہ میں اضطراب و ارتعاش پیدا ہوگیا، دل کا سکون غارت ہوگیا، انجامِ کار اس حرکت مضطربانہ کے سبب انھیں ''از اول تا آخر الخ'' (ملاحظہ ہو مکتوب ۳۱؍ جولائی) سب ایک سا گھومتا ہوا نظر آنے لگا۔

بے شک ہمزۂ قرآن مقدس و محترم ہے (غمزۂ چشمِ ہمزہ میں یہ احترام ملحوظ ہے) یہی نہیں بلکہ مصحف شریف میں ہمزہ جہاں پر مرسوم ہے اسی جگہ اس کی کتابت بھی ضروری ہے۔ ہمزۂ قرآن کی عظمت و تقدیس کا گن گانے والے مولانا بھیروی اپنے گریبان میں جھانکیں اور اپنی تصنیفات ملاحظہ کریں جن میں دو چار جگہ نہیں، درجنوں جگہوں پر رسم قرآنی کے خلاف ہمزہ کی کتابت موجود ہے۔ یاددہانی کے باوجود کان پر جوں تک نہیں رینگی ۔ وہی ڈھاک کے تین پات ۔ وعدے وعید وغیرہ (تفصیل کے لیے دیکھئے غمزۂ چشم ہمزہ)

ہماری مراسلت خالص علمی مواد پر مشتمل تھی جبھی تو یہ سلسلہ تادیر قائم رہا، اگر یہ علمی بحثیں موصوف کی نظر میں گالم گلوج تھیں، بدزبانی اور بدکلامی تھیں تو خیر الاذکیا مولانا بھیروی صاحب خود بھی اس فعل شنیع میں برابر کے حصہ دار کیوں بنے رہے؟ اردو زبان وادب سے لگاؤ رکھنے والے جانتے ہیں ''توتو'' ''میں میں'' تحریر میں نہیں ہوتی بلکہ تحریر کے

ذریعہ اس کی حکایت کی جاتی ہے۔اس کی روشنی میں مولانا بھیروی کا جملہ پڑھئے اور سر دھنئے جس میں اس خالص علمی مراسلت کے تعلق سے کہا گیا ہے کہ'' آپس میں توتو، میں میں کوالخ'' (مکتوب ۱۳؍جولائی) اس سے مولانا بھیروی کی نفسیاتی الجھن کا صاف پتا چلتا ہے۔

اسی خط میں مذکور ہے:

''میرے ہی اوپر مشق ستم جاری رہے تو اچھا ہے تاکہ اگلا صدرالمدرسین چشم بد اور شرِ غیظ وحسد سے محفوظ رہے''۔

ہمدردی اور چاپلوسی سے بھرپور یہ عبارت اگلے صدرالمدرسین سے اپنی پچھلی کارگزاریوں کے تحفظ کی ضمانت چاہتی ہے۔

موصوف کا جملہ'' کارنامہ بھی تو از اول تا آخرش کا ہے'' اس ش سے ان کی مراد جو بھی ہو میں تو اتنا جانتا ہوں کہ غمزۂ چشم ہمزہ میں جو کچھ مذکور ہے اور اس کے مرتب نے اپنے ایک صفحہ (عرض مرتب) میں جو مراسلت کا خلاصہ لکھ دیا ہے اس کے بعد مولانا بھیروی کے لیے اس کے سوا کوئی راستہ ہی نہیں بچا کہ وہ میری تحریر کو اشرفیہ مخالف قرار دیں اور خود اپنی رسوائی کو اشرفیہ کے سر تھوپ دیں۔غمزۂ چشم ہمزہ نے جو پردہ کشائی کی ہے اس سے جناب کی فکر ونظر کا چہرہ بے نقاب ہو گیا ہے اس لیے تلملاہٹ تو ہونی ہی تھی۔

بھلا سوچئے!

اشرفیہ کے نصاب میں داخل کتاب'' حدوث الفتن'' میں ایسی ایسی شخصیات کے نام تو ہیں جو کبھی سنے نہیں گئے تھے گو یہ غلط نہیں۔ اسلاف شناسی کی تحریک میں ڈوبا ہوا نام اچھالنا وقت کی ضرورت ہے لیکن اس درسی کتاب میں شیخ المشائخ حضور اشرفی میاں، حضور محدثِ اعظم ہند اور حضور سرکارِ کلاں تک کا نام نہیں ہے علیہم الرحمۃ والرضوان۔

یوں تو کل کے کل علما و مشائخ کچھوچھہ شریف نظر انداز کر دیے گئے ہیں لیکن یہ تین اولیاے امت جن میں سے پہلے بزرگ اس ادارے کے بانی ہیں اور دوسرے دونوں بزرگ اس ادارے کے سرپرست رہے ہیں۔ ان کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے تھا۔ خود اپنے والد ماجد جناب محمد صابر اشرفی مرحوم کے پیرومرشد حضرت سید شاہ اشرف حسین رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی چھوڑ دیا ہے اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ یہ بھی کچھوچھہ شریف کے تھے۔ اسی طرح سارے کے سارے علماے مبارک پور نظر انداز کر دیے گئے ان میں سے وہ بھی ہیں جن سے موصوف کو شرف تلمذ حاصل ہے۔ کیا اس فعل شنیع کی تائید کوئی منصف مزاج اور غیر جانب دار شخص کر سکتا ہے؟ مشہور ہے کہ سلسلۂ اشرفیہ چشتیہ کے بزرگ کسی کو چھیڑتے نہیں ہیں اور چھیڑنے والوں اور ایذا رسانوں کی زبانیں گدیوں سے کھینچ لیتے ہیں۔

متذکرہ مکتوب ۳۱/ جولائی میں ''انتقام'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ کیا انتقام؟ کیسا انتقام؟ مولانا بھیروی سے تو کبھی میری کرخت لہجے میں بات بھی نہیں ہوئی ہے تو تو، میں میں تو دور کی بات ہے جو کچھ ہمارے مابین ہوا ہے وہ مراسلت کی شکل میں غمزۂ چشم ہمزہ میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب آں موصوف سچائی کے راستے سے بھٹک گئے تو دو ہی راستے کھلے نظر آئے ایک ''انتقام'' اور دوسرا ''اشرفیہ مخالف تحریر'' جب کہ یہ دونوں راستے گمراہی کے اندھے کوئیں میں لے جاتے ہیں۔

اگر مجھے اس کا سان گمان بھی ہوتا کہ استاذِ کریم مرشد برحق حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اس حقیر کو الولد العزیز کہنا قلب حُسّاد میں خنجر بن کر پیر جائے گا تو میں مرتب سلمہ اللہ تعالیٰ سے کہتا کہ صاحبزادے! استاذ کریم کا عطا کیا ہوا یہ ایوارڈ میرے لیے باعث افتخار بلکہ سرمایۂ حیات

ہے لیکن حاسدوں کی تالیف قلوب کے لیے دل کو ہمیشہ کشادہ رکھنا چاہیے۔

سربراہِ اعلیٰ صاحب کو متوجہ کرنے کی ضرورت اس لیے واقع ہوئی کہ اشرفیہ کے جملہ صیغہائے تعلیم وانتظام ومالیات کا انھیں اختیار کلی حاصل ہے۔ مثلاً ملازم سے لے کر صدر المدرسین تک کے تقرر میں کوئی واسطہ نہیں ہے انتظامیہ اور شوریٰ کی مجالس کی حیثیت ایڈوائزری بورڈ کی ہے از روئے دستور اساسی کوئی فیصلہ خواہ وہ مجلس انتظامیہ کا ہو یا مجلس شوریٰ کا سربراہِ اعلیٰ کی منظوری کے بغیر نافذ نہیں ہوسکتا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ دستور کے مطابق سربراہِ اعلیٰ ہی اپائنٹنگ اتھارٹی (Appointing Authority) ہیں۔

غالب بُرا نہ مان جو واعظ بُرا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے''

شرر مصباحی
16/09/2014

یہ المیہ صرف ہماری جماعت کا نہیں بلکہ یہ آزمودہ نسخہ اہل سیاست کا بھی ہے کہ اگر کسی لیڈر کے خلاف کوئی سوال کرتا ہے تو وہ سیدھے اسے پارٹی سے جوڑ کر اور اگر وہ لیڈر حکمراں جماعت کا ہے تو اسے اپنی گورنمنٹ یا ملک سے جوڑ کر سوال کنندہ کے خلاف محاذ آرا ہو جاتا ہے، پتا نہیں یہ نسخہ کسی مذہبی ادارے کے حکما کا ایجاد کردہ ہے جسے زعمائے سیاست نے ''ہیک'' (HacK) کرلیا ہے یا کیا ہے۔ جماعت کے کئی افراد کے نام لیے جاسکتے ہیں جو ہم سے دور نہیں ہوئے ہیں بلکہ ہم نے انھیں دور کردیا ہے۔ اس کا سبب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ انھوں نے شخصیت پرستی کی بجائے علمی حقائق کو اپنا راہ نما بنایا ہے۔ علمی اختلاف قرنِ اول سے ہوتا آیا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام شافعی کے مابین فقہی اختلاف حرام وحلال تک کا ہے، یزید کے بارے میں کئی مذاہب ہیں، کوئی کافر کہتا ہے، کوئی مومن، کوئی کف لسان کرتا ہے باایں

ہمہ تینوں نقطہائے نظر والوں کو ہم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔

اسی دوران مطبوع میں مولانا عبد السلام کا خط موصول ہوا جس میں حدائق بخشش کے تعلق سے کچھ سوالات تھے، مجھے دور نزدیک سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ کام کلیدی طور پر مولانا صغیر اختر مصباحی انجام دے رہے ہیں جن کو فن عروض سے بھی شغف ہے چناں چہ مجھے جو جواب دینا تھا انھیں کے واٹس ایپ نمبر پر بھیج دیا۔ مولانا عبد السلام صاحب نے مولانا صغیر اختر کی مجھ سے مبارک پور میں ملاقات کا ذکر کیا ہے جو مجھے یاد نہیں اور واٹس ایپ پر جو میں نے جواب دیا شاید انھیں اس کا علم نہیں۔

یہ محض اتفاق ہے کہ گزشتہ برس آسی فاؤنڈیشن کے ڈائرکٹر میرے پاس انٹرویو کے لیے آئے، حدائق بخشش کے چند اشعار کے تعلق سے وہ وضاحت چاہتے تھے، یکا یک مجھے مولانا صغیر اختر یاد آ گئے، میں نے فون کر کے اُن سے پوچھا کہ آپ کی اکیڈمی سے جو ایڈیشن منظر عام پر آنے والا تھا اس کا کیا ہوا۔ جواب ملا کہ وہ تو کب کا چھپ گیا ہے، یہ سن کر مجھے تعجب بھی ہوا اور افسوس بھی۔ اس ٹیلی فونی گفتگو کے چند روز بعد میں اپنے وطن مالوف مبارک پور حاضر ہوا۔ دوسرے روز اشرفیہ لائبریری سے ''امام احمد رضا اکیڈمی بریلی'' والا نسخہ اپنے نام ایشو کرایا۔ اب جو اطمینان سے پڑھا تو ہکّا بکّا رہ گیا۔

مولانا عبد السلام صاحب لکھتے ہیں:

> ''نیز تصحیح و تحقیق کا عمل پورا ہونے اور کمپیوٹر پر تصحیحات بنائے جانے کے بعد حضرت مولانا محمد حنیف خاں صاحب نے فائنل کاپی نظر ثانی کے لیے آپ (مولانا محمد احمد مصباحی-شرر) کی خدمت میں بھیجی اور آپ نے کرم فرماتے ہوئے اس کو بالاستیعاب پڑھا اور تصحیح یا کمپیوٹر پر تصحیحات بنانے میں کتابت کی جو متعدد خامیاں رہ گئی تھیں ان کو درست کیا اور کئی مشوروں سے بھی نوازا نیز ان کئی اغلاط کی تصحیح بھی فرمائی جو حدائق بخشش کے نسخوں میں چلی آ رہی تھیں''۔ (ص:۱۰)

اس سے پہلے تحریر ہے:

> ''یہ تصحیح و تحقیق حضرت علامہ مفتی محمد حنیف خاں

صاحب، حضرت مولانا صغیر اختر مصباحی صاحب اور راقم السطور کی مشترکہ کاوش ہے"۔(ص:۸)

پھر مولانا صغیر اختر مصباحی کا علاحدہ تعارف یوں ہے:

"حضرت مولانا صغیر اختر مصباحی صاحب جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند مرتبہ اور خوش فکر شاعر بھی ہیں۔فن عروض میں ماہر اور شعر وسخن کے معاملہ میں وسیع اور گہری نظر رکھتے ہیں"۔(ص:۸)

اتنی احتیاط کے ساتھ یہ نسخہ منظر عام پر آیا جس کی قیمت پانچ سو روپے (۲۰۱۵ء میں) ہے جب کہ معمول کی حدائق بخشش اول ودوم کی قیمت کم وبیش سو روپے ہے۔

مذکورہ بالا تحریر سے یہ پیغام بھی پہنچا کہ یہ نسخہ سابقہ سارے نسخوں سے صحیح تر ہے۔اتنی فصیح وبلیغ تقریر کے بعد کون سوچ سکتا ہے کہ اس تصحیح شدہ نسخہ میں غلطی کا امکان ہوگا۔

مجھے یقین نہیں آتا کہ حضرت مولانا مصباحی بھیروی نے اس نسخہ کو از اول تا آخر (بالاستیعاب) ملاحظہ فرمایا ہے اور یہ کہ واقعی حضرت نے دقت نظر سے نظر ثانی فرمائی ہے اس یقینی بے یقینی کی وجہ یہ ہے:

(۱) مولانا محمد احمد مصباحی کے بارے میں جامعہ اشرفیہ کے بعض سینئر اساتذہ سے میں نے بارہا سنا ہے کہ ہمارے حضرت صاحب قبلہ جب تک کسی تحریر کو حرف بحرف ملاحظہ نہیں فرمالیتے اس کی تائید وتوثیق نہیں کرتے۔

(۲) مولانا بھیروی کی ایک معروف کتاب "رسم قرآنی اور اصول کتابت" ہے جس سے ظاہر ہے کہ مصحف شریف کی آیات کی رسم کتابت پر ان کی گہری نظر ہے۔

(۳) مولانا بھیروی کی علم عروض پر ایک کتاب "معین العروض" ہے جو جامعہ اشرفیہ کے نصاب تعلیم میں داخل ہے۔اس سے علم عروض پر موصوف کی ماہرانہ صلاحیتوں کا پتا چلتا ہے۔

(۴) مولانا بھیروی کی اردو قواعد وانشا پر بھی گہری نظر ہے بعض کتابوں پر حضرت کے تبرکات بصورت تحریر موجود ہیں۔ان ساری خصوصیات وکمالات کے حامل حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب کی نظر ثانی کے بعد اس نسخۂ نادرہ میں **پشتارۂ اغلاط** کا ہونا بہ ظاہر ناممکن

معلوم ہوتا ہے مگر فی الواقع، واقع ہے۔

بریلی کے ارباب تصحیح وتحقیق نے ہمارے حضرت کی طرف ''بالاستیعاب'' اور ''نظر ثانی'' کی نسبت کر کے اپنا پلہ جھاڑ لیا اور ذمہ داریوں کا بوجھ خیر الاذکیا کے سر ڈال دیا۔ اور یہ لکھ کر کہ:

''اس اشاعت میں اگر کوئی خوبی ہے تو وہ آپ (مولانا بھیروی صاحب) کی رہنمائی اور کرم فرمائی کی برکت ہے''۔ (ص:۱۰)

اس ادھورے جملے کو مکمل کرنے کا بار قارئین کے اوپر ڈال دیا۔ وہ یہ کہ:

''اور اس شاعت میں اگر کوئی خامی ہے تو وہ بھی.........۔

رضا اکیڈمی ممبئی کے نسخۂ حدائق بخشش سے پہلے کئی اور نسخے اہل تصحیح وتحقیق کے پیش نظر رہے جیسے نسخۂ حسینی، نسخۂ اقبالی، نسخۂ رحمانی، نسخۂ قادری اور ایک نہایت دیدہ زیب نسخہ پور بندر سے ۲۰۰۷ء میں شائع ہوا ہے گمان غالب ہے کہ تصحیح کے دوران یہ نسخہ بھی پیش نظر رہا ہوگا جس کا ذکر غیر ضروری یا خلاف مصلحت سمجھا گیا۔ ان تمام نسخوں کو نظر انداز کر کے رضا اکیڈمی کے نسخے کو ٹارگیٹ (Target) کیا گیا اور ایک فہرست نسخۂ رضا اکیڈمی اور بریلی کے تصحیح شدہ نسخے کے تناظر کی چھاپ دی گئی۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر اُن سارے نسخوں سے تناظر کی ایسی ہی فہرست شائع کر دی جاتی جن کا ذکر کیا گیا ہے تا کہ جن لوگوں کے پاس وہ قدیمی نسخے ہیں، وہ اس بریلی والے تصحیح شدہ نسخے کی مدد سے اپنے نسخوں کی تصحیح کر لیتے لیکن یہ اہل تحقیق نواح بریلی میں رہ کر یہ جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ ہاں! رضا اکیڈمی ممبئی کے نسخے میں پروفیسر مسعود احمد نقشبندی کے شائع کردہ ''انتخاب حدائق بخشش'' کی اغلاط کی نشاندہی کی گئی تھی وہ اس لیے کہ آں موصوف نے اپنے نسخے میں یہ لکھ دیا تھا کہ یہ نسخہ اغلاط سے پاک ہے اس کے صریحی معنی یہ ہوئے کہ اب اگر کسی شعر میں کوئی سقم ہے تو اس کے ذمہ دار حضرت مصنف ہیں لہٰذا نسخۂ رضا اکیڈمی میں اُن اغلاط کی فہرست شائع کی گئی تا کہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف انگلیاں نہ اٹھائی جاسکیں۔

۱۹۹۷ء میں حدائق بخشش کی تصحیح کے دوران میرے سامنے متعدد نسخے تھے، میں نے نسخۂ مصححہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ کو اساس (Base) بنایا تھا، اس وقت مجھے پتا نہیں تھا کہ خود حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا تصحیح کیا ہوا نسخہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

یہ مبارک نسخہ بدایوں شریف سے دستیاب ہوا جو حدائق بخشش حصہ اول کا نامکمل حصہ ہے، مجھے صرف ۷۲ رصفحات موصول ہوئے اور دوسرا حصہ نہ تو اعلیٰ حضرت کے زمانۂ حیات میں شائع ہوا نہ صدر الشریعہ کے قیام بریلی کے دوران یہ دوسرا حصہ جس بزرگ کے اہتمام میں شائع ہوا، یقینا قابل قدر ہے لیکن اس کی تصحیح فاضل مصنف یا صدر الشریعہ کی نظر سے نہیں کی گئی۔

جیسا کہ معروض ہوا، رضا اکیڈمی ممبئ صدر الشریعہ کے نسخے کے مطابق ہے لیکن یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ یہ نسخہ جملہ اغلاط کتابت سے پاک ہے بلکہ میرے متذکرہ خط بنام الحاج محمد سعید نوری سے ظاہر ہے کہ کاتب نے میری نشان زد اغلاط پوری طرح درست نہیں کیں ۔اب جو میرے پیش نظر دونوں نسخے (نسخہ صدر الشریعہ،نسخہ حضرت مصنف) ہیں میں لفظوں میں اپنی خوشی کا اظہار نہیں کرسکتا ساتھ ہی عالم تحیر بھی ہے کہ دونوں نسخوں میں جو الفاظ باہم دگر بدلے ہوئے ہیں یعنی ایک میں جو مصرع جس طرح ہے دوسرے میں وہ دوسری طرح ہے، ان میں کون صحیح ہے اور کون اصح، یہی نہیں بلکہ مجھ پر اب تک از روئے ثبوت یہ بھی واضح نہیں ہے کہ نادری پریس کا مطبوعہ نسخہ مقدم ہے یا مطبع اہل سنت کا حتی کہ میں اب تک اس امر میں بھی کسی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکا ہوں کہ صدر الشریعہ کے نسخے میں جو شعر جس طرح ہے وہ اعلیٰ حضرت کی نگاہ سے گزرنے کے بعد چھپا ہے، یا صدر الشریعہ کی تصحیح کے بعد جو نسخہ شائع ہوا ہے یعنی حضرت مصنف کا تصحیح کردہ، یہ بعد میں چھپا ہے، یہ گتھی اب تک میں سلجھا نہیں سکا ہوں تاہم آئندہ موضوع کی مناسبت سے اظہار خیال کی جسارت کروں گا۔

آیئے اب ''امام احمد رضا اکیڈمی بریلی'' کے ''تصحیح شدہ'' نسخے کا جائزہ لیا جائے:

جیسا کہ گزشتہ سطور میں عرض کیا گیا کہ مولانا بھیروی کی نظر ثانی کے بعد اس ''تصحیح شدہ'' نسخہ کی طباعت ہوئی ہے مگر جب موصوف کی نظر ثانی کے بعد بھی اس تصحیح شدہ نسخہ میں اغلاط صف بستہ نظر آئیں تو میں نے مولانا بھیروی کو یہ خط لکھا:

باسمہ تعالیٰ

محترم مولانا محمد احمد مصباحی دام اقبالہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدمت والا میں معروض کہ نسخۂ ''حدائقِ بخشش''، امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف میں ہے:

''انہی الفاظ میں غور وفکر کرنے سے یہ ذہن میں آیا کہ شاید مصرع یوں ہو:

بکشادہ در وَبادہ بنہادہ بجود

یعنی دروازہ کھول رکھا ہے اور بادۂ معرفت سخاوت و دریادلی کے ساتھ رکھ دی ہے (بادہ مذکر ہے۔شرر) یہ مصرع معنوی طور پر قصیدۂ اکسیر اعظم کے اس مصرع کے قریب ہے:

درکشادہ، خواں نہادہ، سگ گرسنہ شہ کریم

مصرع کی یہ صورت رباعی کے مندرجہ ذیل وزن کے مطابق ہوسکتی ہے:

مفعولن فاعلن مفاعیل فعول

بُکُشادہ دروَبا دَبہُن ہادَ بجودْ''

اس تقطیع اور متذکرہ عبارت پر بروقت کچھ اظہار خیال کیے بغیر آپ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اگر اس کا عروضی وزن یہ قرار دیا جائے تو کیا مضائقہ ہے:

مفعول مفاعیل مفاعیل فعول

بُکُشادَ درو باد ءِ بنُ ہادَ بجود

(۲)

عقل و حصر صفات عبدالقادر شب کور و نجوم

وہم و ادراک ذات عبدالقادر وہ شارق و بوم

عجز آنکہ بکنہ قطرۂ آبے نرسید زعم آنکہ رسد

تا قعر یم و فرات عبدالقادر قدرت معلوم

میرے خیال میں ''قطرۂ آبے'' سے تیسرا مصرع ناموزوں ہوگیا۔ یوں ہونا چاہیے:

عجز آنکہ بکنہ قطرہ آبے نرسید
مفعول مفاعلن مفاعیل فعول

(۳)

دل حرف مزن سوائے عبد القادر
حاجت داند عطائے عبد القادر
پیشش ہم ازو شفیع انگیز وبگو
عبد القادر برائے عبد القادر

اس رباعی کے تیسرے مصرع کا وزن رباعی کے معروف اوزان میں سے کسی وزن پر نہیں ہے۔میرے خیال میں ''ازو''غلط الکتابۃ ہے یہ ''زو'' ہے اس کا عروضی وزن یہ ہے:

مفعولن فاعلن مفاعیل فعل

(۴)

کہ بہ شش طبقاتِ زیرین زمیں
حق فرستاد انبیا و مرسلیں

میری فہم ناقص میں اس مثنوی کے صدر و ابتدا میں: ''کہ''لایا ہی نہیں جاسکتا کیوں کہ ''کہ'' (بیانیہ) کی ''ہ'' صرف اظہار حرکت ماقبل کے لیے ہے، مکتوبی ہے ملفوظی نہیں اس لیے تقطیع میں محسوب نہیں ہوتی، یہاں محسوب ہے اسی سے واضح ہے کہ اس نسخۂ حدائق بخشش کے صفحہ ۲۱۱ر پر جو یہ شعر ہے:

سینہ ہے کہ داغ داغ کہہ دو کرے باغ باغ
طیبہ سے آکر صبا تم پہ کروروں درود

غلط ہے،صحیح یوں ہے:

سینہ کہ ہے داغ داغ کہہ دو کرے باغ باغ
طیبہ سے آکر صبا تم پہ کروروں درود

(۵)

چرچے حوروں میں ہیں دیکھو تو ذرا بال براق
سنبل خلد کے قربان اتارے گیسو

صحیح یال براق ہے گو دیگر جملہ نسخوں میں جو میرے مطالعہ میں آئے ہیں، بال براق ہی مطبوع ہے۔

(٦)

وہی لا مکاں کے مکیں ہوئے سر عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

دیگر کئی نسخوں میں دوسرا مصرع یوں ہے:

وہ نبی ہے جس کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

آپ کے نزدیک کون سا مصرع اصح ہے؟

والسلام
شرر مصباحی
۱۴/دسمبر ۲۰۲۰ء
کٹرہ مبارکپور اعظم گڑھ

کاپی برائے ملاحظہ:

حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین بِاَلْقَابِہٖ، صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور
مولانا اختر حسین فیضی الجامعۃ الاشرفیہ
مولانا صغیر اختر مصباحی بریلی شریف

جیسا کہ مکتوب سے ظاہر ہے، اس کی کاپی تین دیگر اہل علم کو بھیجی گئی۔ اِن میں مولانا صغیر اختر مصباحی بھی ہیں جن کے تعارف میں مولانا عبد السلام نے لکھا ہے کہ:

"فن عروض میں ماہر اور شعر و سخن کے معاملہ میں وسیع اور گہری نظر رکھتے ہیں"۔ (ص:۸)

ایک ہفتے تک جب مولانا بھیروی اور مولانا صغیر اختر مصباحی کا جواب نہیں آیا تو دوبارہ توجہ دہانی کرائی گئی۔ مولانا بھیروی پھر بھی خاموش رہے۔ سلام کے جواب تک سے شاد کام نہیں فرمایا۔ مولانا صغیر اختر مصباحی نے واٹس ایپ پر یہ جواب دیا (سلام کا جواب یہاں بھی ندارد):

''میں نے حضرت مولانا عبد السلام صاحب کو آپ کا میٹر پہنچا دیا ہے،
میرے پاس محولہ جدید نسخہ نہیں تھا آج لے کر آیا ہوں۔ان شاء اللہ جلد
جواب دوں گا۔علامہ مصباحی صاحب سے تخاطب معنی دارد''۔

اتنا سا جواب ۲۴/دسمبر ۲۰۲۰ء کا ہے اس کے بعد چپ لگ گئی۔حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی ممبئی میں تھے انھوں نے فون پر بتایا کہ صحیح شعر:

''وہ نبی ہے'' سے ہے'' نبی ہیں'' سے نہیں اور اس کی نہایت بلیغ تشریح فرمائی (نسخہ رضا اکیڈمی ممبئی میں وہ نبی ہے جس کے الخ) ہے اور فرمایا کہ باقی سوالات فن شعر سے متعلق ہیں جس میں مجھے درک نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کا جواب نہ تو مولانا بھیروی کے پاس تھا نہ مولانا صغیر اختر مصباحی کے پاس، اس تصحیح شدہ نسخہ میں یہ اشعار جس طرح مرقوم ہیں وہ محل نظر ہیں۔اب یہ تو جواب دے نہیں سکتے تھے کہ ہم سے تصحیح یا نظر ثانی میں غلطی ہوگئی لہٰذا خاموشی ہی میں اپنی عافیت سمجھی۔الحمد للہ ہم نے رضا اکیڈمی ممبئی کے نسخے میں کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ یہ سابقہ نسخوں سے بہتر اور جملہ اغلاط سے پاک ہے۔یہ دعویٰ مولانا شمس بریلوی نے کیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک عظیم دانشور کو یہ کہنے میں ذرا تامل نہیں ہوا کہ" حدائق بخشش میں لسانی وعروضی کچھ سہو بھی ہمارے سامنے آئے ہیں ادبی دیانت کا تقاضا ہے کہ ان کی بھی نشان دہی کردی جائے"۔پھر یوں سہو ظاہر کیا" نظر" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے پہلے دو حرف"ن" اور" ظ" بالفتح ہیں مولانا نے حرف" ظ" بالجزم باندھا ہے جس سے مصرع ساقط الوزن ہوگیا ہے۔

وہی نظر شہ میں زرنکو جو ہو ان کے عشق میں رو برو
گل خلد اس سے ہو رنگ جو یہ خزاں وہ تازہ بہار ہے"

دوسرا سہو یوں ظاہر کیا ہے" ایک اور شعر میں انھوں نے عربی لفظ" صفت" کی" ف" کو ساکن کردیا ہے حالاں کہ وہ بالفتح ہے۔

جسے تیری صفتِ نعال سے ملے دو نوالے نوال سے
وہ بنا کہ اس کے اگال سے بھری سلطنت کا ادھار ہے"

موصوف کا یہ کہنا غلط نہیں ہے۔ جب ہم دیوان حدائق بخشش کو جملہ اغلاطِ کتابت سے پاک ہونے کا دعویٰ کریں گے تو اب شعر میں اگر فنی یا لغوی سقم ہے تو اس کا الزام ظاہر ہے شاعر کے سر جائے گا۔ جب کہ حدائق بخشش میں یہ دونوں اشعار اس طرح ہیں۔

وہی نذر شہ میں زر نکو جو ہوا ان کے عشق میں رو برو
گل خلد اس سے ہو رنگ جو یہ خزاں وہ تازہ بہار ہے"
جسے تیری صفِ نعال سے ملے دو نوالے نوال سے
وہ بنا کہ اس کے اگال سے بھری سلطنت کا ادھار ہے"

اس جدید تصحیح شدہ بریلی ایڈیشن کو تمام سابقہ نسخوں سے مقابلے کے بعد تصحیح شدہ نسخہ کہا گیا ہے۔ شکر ہے تمام اغلاط سے پاک نہیں کہا گیا مگر واضح اشارہ اسی طرف ہے۔

یہاں سے امام احمد رضا اکیڈمی بریلی کے تصحیح شدہ نسخے کے نمونے ملاحظہ ہوں۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہ تصحیح و تحقیق حضرت علامہ مفتی محمد حنیف خاں صاحب، عظیم عروض داں حضرت مولانا صغیر اختر مصباحی اور محقق شہیر حضرت مولانا عبد السلام کی مشترکہ کاوش ہے نیز تصحیح و تحقیق کا عمل پورا ہونے کے بعد خیر الاذکیا حضرت مولانا محمد احمد مصباحی نے اسے بالاستیعاب پڑھا۔ (فائنل کاپی پر نظر ثانی فرمائی) یہ بھی یاد رہے کہ مولانا محمد احمد مصباحی ''رسم قرآنی اور اصول کتابت'' کے مصنف ہیں۔

آیات قرآنیہ کی کتابت کے تعلق سے:

(۱) "أُولَئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ". (نسخہ بریلی ص:۳۴)
مصحف میں ہے: اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ.
(۲) "لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ". ص:۸۲
مصحف میں ہے: لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَاَنْتَ حِلٌّ ۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ

(۳) "وَقِيلِهٖ يَارَبِّ اِنَّ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ". ص:۸۲
مصحف میں ہے: "وَقِيلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ".

(۴) "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاؤُكَ". ص: ۱۶۳
مصحف میں ہے: "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ".

(۵) "بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَّحِيْم".
مصحف میں ہے: "بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ". ص:۱۶۸

(۶) "وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ". ص:۱۶۸
مصحف میں ہے: وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ.

(۷) "نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَئ". ص:۱۶۹
مصحف میں ہے: "نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ".

(۸) "فَلَنُوَلِيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا". ص: ۱۷۳
مصحف میں ہے: "فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا".

حدیث پاک کی کتابت کے تعلق سے:

"اِنَّ اللّٰهَ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْيَا فَاَنْظُرُ اِلَيْهَا وَاِلٰی مَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ الخ"۔

حدیث پاک میں "اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ" (ق کے زیر سے) ہے علاوہ ازیں "قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْيَا" ہے یا "قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْيَا" ۔ یہ حضرت خیر الاذکیا سے مؤدبانہ استفسار ہے۔

رباعیات کی ناموزونی کے تعلق سے:

اس جدید ایڈیشن (تصحیح شدہ) میں رضا اکیڈمی کے نسخہ میں مندرجہ ذیل مصرع:

بکشادہ...........................بنہادہ بجود

کے تحت ہے:

''مصرع اول نسخہ رضا اکیڈمی میں اسی طرح ہے (یعنی بکشادہ اور بنہادہ
کے درمیان بیاض ہے۔ شرر) اور دیگر نسخوں میں اس طرح ہے:

بکشادۂ دور دادۂ باد بنہادہ بجود''

لیکن اس کا معنی سمجھ میں نہیں آتا۔ انہی الفاظ میں غور وفکر کرنے سے یہ ذہن میں آیا کہ شاید مصرع یوں ہو:

''بکشادہ در وَبادہ بنہادہ بجود''

یعنی دروازہ کھول رکھا ہے اور بادہ معرفت سخاوت و دریا دلی کے ساتھ رکھ دی ہے۔
یہ مصرع معنوی طور پر قصیدہ اکسیر اعظم کے اس مصرع کے قریب ہے:

در کشادہ، خواں نہادہ، سگ گرسنہ، شہہ کریم

مصرع کی یہ صورت رباعی کے مندرجہ ذیل وزن کے مطابق ہوسکتی ہے:

مفعولن فاعلن مفاعیل فعول
بُکشادہ دَروَبا دَہِن ہادَ بجودْ''

راقم الحروف نے مولانا مصباحی کے نام اپنے خط میں اس وزن عروضی سے عدم اتفاق کرتے ہوئے (مگر اس مفروضہ مصرع کو تسلیم کرتے ہوئے) اس کا جو وزن عروضی لکھا تھا وہ مکتوب میں ملاحظہ فرمائیں۔ بریلی کے اہل تصحیح و تحقیق پر مولانا مصباحی نے نظر ثانی میں اعتماد کیا اور یہ مصرع:
''دروَبادہ'' کے بریکٹ کے ساتھ شائع ہوگیا۔

احقر نے اپنے خط میں: ''بُکشادہ'' کی مفعولن سے تقطیع کرنے سے اتفاق نہ کرتے ہوئے اسے ''مفعول'' کے مطابق کیا تھا۔ میرے علم کے مطابق پورے دواوین فارسی میں ایک مصرع بھی ایسا نہیں ملے گا جس کا وزن عروضی صدر وابتدا اور حشو میں ''مفعولن'' ہو، نہ ''بکشادہ'' کا نہ ''بنہادہ'' کا۔ اگر ایک شعر بھی نظیر میں پیش کر دیا جائے تو انعام کے مستحق ہوں گے۔

علاوہ ازیں اہل تحقیق نے اپنے اندازے سے مصرع ''دَرُوَبا'' کو ''فاعلن'' کے برابر کیا ہے یہ بھی قابل غور ہے۔ میرے خیال میں ''وْ'' عربی میں مکتوبی ملفوظی ہے اور فارسی میں جب دو جملوں کے درمیان آئے تو مکتوبی ملفوظی ہوتا ہے نظماً بھی نثراً بھی۔ اس میں شک نہیں کہ

اہل تحقیق نے مصرع کی چول بٹھانے کی کوشش کی مگر کامیابی ہاتھ نہ آئی۔

رضا اکیڈمی کے نسخے میں جو "بکشادہ" کے بعد جگہ چھوڑ دی گئی تھی وہ اسی لیے کہ تصحیح کنندہ محض اندازے سے کوئی لفظ بڑھانے کی جسارت نہیں کر سکتا تھا، اب مطلع صاف ہو گیا ہے یعنی صحیح مصرع یوں ہے

بکُشادہٗ و دَر دادہٗ و بنہادہ بجود

اس کا وزن عروضی ہے: مفعول مفاعیل مفاعیل فعول

مولانا بھیروی صاحب اور مولانا صغیر اختر مصباحی صاحب مذکورہ بالا وزن عروضی کے مطابق تقطیع کر لیں "وٗ" جو "دَروَبا" میں محسوب ہو گیا تھا الحمد للہ اب یہ بھی محسوب نہیں ہے۔ اس مصرع میں "نکتے" کی بات یہ ہے کہ لفظ "در" نہ تو "میں" کے معنی میں ہے نہ دروازہ کے معنی میں بلکہ "خیر وخوبی" کے معنی میں ہے۔ معاجم سے اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔

دی گفت دلم کہ جان است عبد القادر گفتم احسنت
جاں گفت کہ دین مان ست عبد القادر گفتم آمنت
دیں گفت حیات من [از و، من] گفتم ایں جملہ صفات
از ذات بگو کہ آن ست عبد القادر گم شد من وانت

بریلی کے تصحیح شدہ نسخہ میں یہ رباعی اسی طرح لکھی گئی ہے یعنی "جان، مان، آن" کو نون معلنہ سے لکھا گیا ہے اور صفحہ ۳۲۲، پر فہرست تناظر میں نسخۂ رضا اکیڈمی کو آئینہ دکھایا گیا ہے، یہ محض بر بنائے غلط فہمی ہے جس طرح نسخۂ رضا اکیڈمی میں ہے وہی صحیح ہے، اگر ان مصاریع کو اعلان نون سے پڑھا جائے تو سب کے سب ساقط الوزن ہو جائیں گے۔

اس کی قدرے تشریح یہ ہے کہ قدیم نسخوں میں ایسے ہر لفظ کو نون معلنہ سے لکھا گیا ہے خواہ وہ اعلان نون سے پڑھا جائے یا غنہ سے۔ حدائق بخشش مصححہ حضرت مصنف سے چند اشعار پیش ہیں:

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہین سنتا ہی نہین مانگنے والا تیرا

دھارے چلتے ہین عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہین سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا
فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسون کے تجسس مین ہے دریا تیرا
اغنیا پلتے ہین در سے وہ ہے باڑا تیرا
اصفیا چلتے ہین سر سے وہ ہے رستا تیرا

حدائق بخشش حصہ اول کی ابتدا اس نعت سے ہے اور یہ چاروں اشعار بالترتیب ہیں، ان اشعار میں جتنے نون والے لفظ ہیں سب میں نقطہ ہے مگر یہ ''ن'' اپنے مخرج سے ادانہیں ہوتا۔ ناک سے آواز نکلتی ہے۔

یا'' وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں'' ۳۵/اشعار کی نعت، رشک قمر ہوں ۱۷/اشعار کی نعت بلکہ پوری حدائق بخشش قدیم میں وہ حضور صدرالشریعہ کی تصحیح کردہ ہو یا خود حضرت مصنف کی، جتنے الفاظ، ہیں، میں، گلستاں، جبیں وغیرہ غنہ والے ہیں، سب کی کتابت نون معلنہ سے ہے۔ یہ اس دور کی طرز املاتھی، خود بریلی کے اہل تصحیح وتحقیق نے مذکورہ بالا اشعار کے نون کے پیٹ سے نقطہ نکال دیا ہے۔ اس رباعی میں جان مان اور آن میں انھوں نے نون معلنہ کی ضرورت کیوں سمجھی، یہ میری سمجھ سے باہر ہے کیوں کہ یہاں نون معلنہ ساقط الوزن ہے، غلط فہمی کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ فاضل مصنف علیہ الرحمہ نے لفظ ''مان'' پر حاشیہ میں لکھا ہے ''مانْ'' بزیادت ن بمعنی ماست'' حالاں کہ یہاں ''مان'' میں اعلان ''ن'' بھی اسی قدیم طرز املا کا نتیجہ ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ بصورتِ نون معلنہ اول ودوم وچہارم مصاریع کی تقطیع رباعی کے مقررہ اوزان میں سے کسی وزن پر راست نہیں ہے۔

عجز آنکہ بکنہ قطرۂ آبے نرسید

بریلی والوں نے اس مصرع کے ''قطرہ آبے نہ رسید'' کو ''قطرۂ آبے نرسید'' سے بدل کر بزعم خود رضا اکیڈمی ممبئی میں مرقوم مصرع کی تصحیح فرمائی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ''قطرۂ کی اضافت سے

مصرع ناموزوں ہوگیا۔ بہ ہیئت موجودہ یہ رباعی کے ۲۴/اوزان میں سے کسی وزن کے مطابق نہیں ہے۔ احقر نے اس کا وزن عروضی (بہ فک اضافت)

مفعول مفاعلن مفاعیل فعول

قرار دیا ہے۔ ''یہ قطرۂ آبے'' نہیں بلکہ ''قطرہ آبے'' ہے جس میں یائے توصیفی کا اضافہ ہے، قطرۂ آب کی بجائے ''قطرہ آب'' لکھنے کو فصحا نے زیادہ فصیح قرار دیا ہے جیسے:

توئی کافریدی زیک قطرہ آب

بحوالہ قواعد حامدی، ص: ۲۹۳۔ از نجم الغنی رامپوری

نقصان نہ دے گا تجھے عصیاں میرا
غفران میں کچھ خرچ نہ ہوگا تیرا
جس سے تجھے نقصان نہیں کردے معاف
جس میں تیرا کچھ خرچ نہیں دے مولیٰ

یہ رباعی بریلی والے نسخہ میں صفحہ ۱۳۷/ پر ہے۔ چوتھا مصرع درج ذیل وزن کے مطابق ہے:

مفعولن مفاعیل مفاعیلن فع

مگر یہ رباعی کا کوئی وزن نہیں ہے، اگر ''تیرا'' کو ''ترا'' کر دیا جائے (جو رضا اکیڈمی میں ہے) تو اس کا وزن اس وزن پر راست ہے:

مفعول مفاعیل مفاعیلن فع

پیشش ہم ازو شفیع انگیز و بگو

یہ مصرع ''ازو'' میں ''ا'' کی وجہ سے محل نظر ہوگیا، یہ مصرع دیگر نسخوں میں بھی اسی طرح ہے اس کا وزن عروضی یہ ہے:

مفعولن فاعلن مفاعیل فعل

کھینچ تان کر موجودہ مصرع ایک دوسرے وزن سے تقطیع کیا جاسکتا ہے لیکن جس وزن کے مطابق بے داغ ہے اس کو کیوں نظر انداز کیا جائے۔

رسم الخط

چہ بود:

اسے پڑھنے کی تین ممکنہ صورتیں ہیں:

(۱) چِ ہ بُو دْ بروزن فاعلن۔ (برگِ گل)

(۲) چِ بود بروزن فعلن۔ (غمِ دل)

(۳) چبْ-وَدْ بروزن فعلن۔ (مرہم)

فارسی زبان میں اس مرکب کا استعمال (۱) کی صورت میں نادرست ہے یعنی ''ہ'' ملفوظی سے پڑھنا صحیح نہیں ہے کیوں کہ یہ مکتوبی ''ہ'' صرف اظہار حرکت ماقبل کے لیے ہے، اس لیے یہ لکھنا کہ:

> ''(لعل چہ بود جوہری با سرخیئ مشک چہ بود خون ناف وحشیے میں) مذکورہ نسخوں میں اسی طرح مکتوب ہے یہ مثنوی بحر رمل مسدس محذوف میں ہے جس کے ارکان ''فاعلاتن فاعلاتن فاعلن'' ہیں لیکن درمیان واوین الفاظ کی موجودہ صورت میں شعر مطابق بحر نہیں ہوتا۔ ہاں اگر ان الفاظ کو اس طرح لکھیں کہ ''چہ'' کی ''ہ'' گرادیں اور بود ''کی'' ''ب'' کو ساکن کر کے ''چ'' کو اس سے ملادیں یعنی ''چبْوَدْ'' تو شعر مطابق بحر ہوگا،،۔ (ص ۱۸)

یہ پوری عبارت غیر ضروری ہے ''لعل چہ بود'' اور ''مشک چہ بود'' کو ہر پڑھنے والا صحیح پڑھے گا اگر وہ سلیم الطبع ہے۔ محققین نے اس مثنوی کو بحر رمل مسدس محذوف میں لکھ کر اس کا وزن بھی بتا دیا۔ کیا ''پائہا چبْوَد کہ سرہا زیر پات'' بھی فاعلاتن فاعلاتن فاعلن کے برابر ہے اور:

چہرہ سرخ از اشک خونی ہر گلیست
خوں شو اے غنچہ زمانِ خندہ نیست

اور اس قبیل کے پندرہ بیس اشعار کیا ''فاعلن'' سے تقطیع ہوں گے؟ نیز اگر اتنا نتھا کا تنا تھا تو وظیفۂ قادریہ میں اس کا خصوصی دھیان رکھنا چاہیے تھا ''تصحیحات وتحقیقات'' میں تو یہ لکھ دیا گیا لیکن حدائق بخشش کے متن میں تو اب بھی ''چبْوَدْ'' ہے اور جو نقش چھاپا گیا ہے اس

میں ''پائہا چہ بود کہ سرہا زیر پات'' ہے۔(ص:۲۱۵)
صحیح یہ ہے کہ ''چہ بود'' ((چ - بود) فعلن کے وزن پر پڑھا جاتا ہے اور املا ''چہ بود'' بالکل صحیح ہے، ہاں حدائق بخشش میں چہ بود (چبْ - ود) استعمال ہوا ہے، اس کا استعمال فارسی نظم میں ہے اور اگر کسی نسخے میں "چبود" لکھا ہے تو یہ بھی درست ہے لیکن اس کے لیے اتنی طویل تقریر کی ضرورت نہیں تھی، اسی تصحیح شدہ نسخے میں اسی مثنوی ردامثالیہ میں یہ شعر بھی ہے۔

ہر دو عالم بندۂ اکرام تو
صد چوں جانِ من فدائے نام تو

اگر عروضی جائزہ لیجئے تو ''چوں'' کا صرف ''ں'' ہی نہیں بلکہ ''وٗ'' بھی تقطیع سے باہر ہے۔ یہ مصرع رضا اکیڈمی میں بھی ایسے ہی چھپ گیا ہے، جس کے لیے اپنے دکھ کا ملال میرے مکتوب سے ظاہر ہے۔ مولانا شمس بریلوی نے اس کی تصحیح فرمادی ہے۔

ہر دو عالم بندہ اکرام تو
صد چو جان من فدائے نام تو

مولانا شمس بریلوی نے حدائق بخشش میں ''چہ بود'' کو باقی رکھا ہے لیکن نقش کی صورت میں ''چبود'' (اعراب کے بغیر) لکھا ہے۔

زمزم

بریلی کے تصحیح شدہ نسخہ میں ''زمزم'' کا رسم الخط بدل دیا گیا ہے:

آب زم زم تو پیا، خوب بجھائیں پیاسیں
آؤ جود شہِ کوثر کا بھی دریا دیکھو

میرے خیال میں جس رسم الخط کے ساتھ یہ لفظ احادیث کریمہ میں، تفاسیر میں، آثار میں، اور متداول عربی، فارسی اور اردو لغات میں ہے اور علم ہے، اس سے عدول کر کے "زم زم" لکھنا مناسب نہیں ہے۔ نسخۂ صدر الشریعہ اور نسخۂ مصححہ حضرت مصنف میں زمزم ہی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے یہ جو لکھا ہے "اس میں زم زم ہے کہ جم جم"۔

یہاں ماہیت لفظ کا بیان مقصود ہے، بعلبک کے بارے میں یہی لکھا جائے گا کہ

اصل میں یہ بعل بک ہے لیکن جو قلعۂ بعلبک لبنان میں ہے اسے بعلبک ہی لکھا جائے گا۔ یہی صورت علمی زمزم کی بھی ہے۔

خط شفیعا

مصحف عارض پہ ہے خط شفیعہ نور کا
لو سیہ کارو مبارک ہو قبالہ نور کا

یہاں ''شفیعا'' کو ''شفیعہ لکھنا فاش غلطی ہے، رضا اکیڈمی میں یہ تصحیح کاتب نے درست نہیں کی مگر تصحیح و تحقیق کی ٹیم کو پھر مولانا بھیروی کو نظر ثانی کے وقت اس کو درست کر دینا چاہیے تھا۔ ''خط شفیعا'' خط شکستہ کی ایک قسم ہے جس کا نمونہ خانۂ فرہنگ ایران ۱۸ رتلک مارگ کی لائبریری میں دیکھا جا سکتا ہے۔ محمد شفیع نامی ہرات کا رہنے والا ''شفیعا'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا وہی اس خط کا موجد ہے۔ محققین نے دیکھا ہوگا کہ دوسرے مصرع میں قبالہ ''ہ'' سے ہے۔ اس کی رعایت سے ''شفیعہ'' کر دیا لیکن انھیں یہ نہیں نظر آیا کہ اسی نظم میں یہ اشعار بھی ہیں:

باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا
مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا۔ وغیرہ

آئینہ/آئنہ

یہ لفظ دو طرح سے لکھا پڑھا جاتا ہے (آ-ای-نہ) بروزن آدینہ (آ-دی-نہ) آئنہ (آ-ء-نہ) بروزن مائدہ (ما-ء-دہ)

آئینہ کی مثال:

کس کے پردے نے کیا آئینہ اندھا نور کا
مَن رَآنی کیسا آئینہ دکھایا نور کا
چار آئینہ کے بل کا نہیں نیزہ تیرا
اپنا آئینہ بنا اے رخ تاباں ہم کو۔ وغیرہ

آئنہ کی مثال:

جبینت آئنہ ساں آفریدند

کہ سارے جہاں میں روز فکان ظل آئنہ ساں تمہارے لیے

دل عشق و رخ حسن آئنہ ہیں

حسرتیں ہیں آئنہ دار وفور وصف گل ۔وغیرہ

اس تصحیح شدہ نسخہ میں گڈمڈ کر دیا گیا ہے۔جیسے:

عرش وکرسی کی تھیں آئینہ بندیاں مصرع خارج البحر ہو گیا

آپ عارض ہو مگر آئینہ دار عارض ایضاً

حسرتیں ہیں آئینہ دار وفور وصف گل ایضاً

کہ سارے جہاں میں روز فکاں ظل آئینہ ساں تمہارے لیے۔ایضاً

مَرے دل سے/گرے دل سے

تصحیح شدہ حدائق بخشش میں ۱۱/اشعار کی نظم ہے جس کا مطلع ہے:

مومن ہے وہ جوان کی عزت پہ مرے دل سے

تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے

پہلا مصرع نسخۂ رضا اکیڈمی، نسخۂ صدر الشریعہ، نسخۂ مصحہ فاضل مصنف میں یوں ہے:

مومن وہ ہے جوان کی عزت پہ مرے دل سے

بریلی کے تازہ نسخہ میں درج ذیل شعر کے تحت حاشیہ ہے۔

کیا اس کو گرائے دہر جس پر تو نظر رکھے

خاک اس کو اٹھائے حشر جو تیرے گرے دل سے

حاشیہ: اس نظم کے اشعار نمبر ۴، ۷، ۹ اور ۱۰ کے تعلق سے نسخۂ اقبالی میں حاشیہ دیا گیا ہے جو مندرجہ ذیل ہے:

''اس نظم میں چار شعر دوسری غزل کے ہیں جو غلطی سے اس میں شامل ہو گئے ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ قافیہ بدلا ہوا ہے۔ ۱۲ منہ۔ ص: ۴۰ (ص: ۱۲۳) واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔مص''۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے، مولانا صغیر اختر مصباحی نے راقم الحروف سے منجملۂ دیگر سوالات یہ سوال بھی کیا تھا۔ میں نے جواباً عرض کیا تھا کہ ''غور کروں گا''۔

یہ دس بارہ سال پرانی بات ہے۔ اب جو تازہ تصحیح شدہ ایڈیشن میں نسخۂ اقبالی کے حوالے سے حاشیہ دیکھا تو معاً ذہن میں آیا کہ اگر مولانا صوفی اقبال احمد نوری کی نظر میں آ گیا تھا کہ یہ چار اشعار دوسری غزل کے ہیں جو غلطی سے اس میں شامل ہو گئے ہیں تو انھیں ان چار اشعار کو اس غزل میں شامل نہیں کرنا چاہیے تھا اور اگر اس حاشیہ سے مولانا صغیر اختر کی ٹیم کو اتفاق تھا تو انھیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے تھا اور اگر اتفاق نہیں تھا تو جس طرح نسخۂ اقبالی کی درجنوں فاش اغلاط کی نشاندہی ضروری نہیں سمجھی اس حاشیہ کو بھی غیر ضروری سمجھ لینا چاہیے تھا۔

میرے نزدیک نسخۂ اقبالی کے حوالے سے جو حاشیہ ہے اور جو کچھ اس میں کہا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ گمان غالب ہے کہ کسی نے صوفی صاحب سے کہا ہوگا کہ مرے، کرے، کے ساتھ گِرے قافیہ نہیں ہوسکتا تو اس سے زیادہ آسان جواب نہیں تھا کہ یہ چار اشعار کسی دوسری غزل کے ہیں۔ ممکن ہے کسی نے صوفی صاحب سے کہا ہو کہ یہ دوسری غزل کے اشعار ہیں۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو یہ چاروں اشعار نہ تو نسخۂ مصححہ حضرت صدر الشریعہ میں ہوتے نہ ہی حضرت فاضل مصنف کے تصحیح کردہ نسخے میں ہوتے جب کہ یہ چاروں اشعار دونوں نسخوں میں ہیں۔

احقر نے اس پر غور کیا اور حسب توفیق اس کا حل بھی ذہن میں آ گیا۔ اس وقت میں اہل تحقیق کی طرف سے اس عقدہ کو حل کیے جانے کا منتظر ہوں، معین العروض کے مصنف یا تصحیح و تحقیق کی ٹیم کی طرف سے جواب آ جائے تو شاید کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہ رہ جائے۔

پشتارۂ اغلاط

پشتارۂ اغلاط سے وہ اغلاط مراد ہیں جو صریحی طور پر بریلی کے تصحیح شدہ نسخہ میں موجود ہیں لیکن کئی اشعار کے تحت حضرت صدر الشریعہ اور حضرت مصنف کے مصححہ نسخوں کا فرق بھی اسٹار (☆) کے ذریعے افادۂ عام کے لیے ظاہر کر دیا گیا ہے جس کا پشتارۂ اغلاط سے تعلق نہیں ہے۔

اِن دونوں نسخوں سے یہ واضح نہیں ہے کہ کون سا نسخہ پہلے شائع ہوا ہے۔

صدرالشریعہ والے نسخے کے بعض اشعار سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ بعد کا ہے اسی طرح بعض اشعار حضرت مصنف کے نسخے میں ایسے ہیں جن سے دھیان جاتا ہے کہ یہ بعد کا نسخہ ہے بہر حال یہ ایک تحقیق طلب مسئلہ ہے۔

نسخۂ بریلی (ص۳۶):

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا

صحیح:

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا

نسخۂ بریلی ص:۳۹۔۶۷/اشعار۔ صحیح:۵۹/اشعار

نسخۂ بریلی ص:۴۰، ۱۹۳/اشعار۔ صحیح:۱۹۴/اشعار

نسخۂ بریلی (ص:۴۱):

دیکھو مرے پلے پہ وہ اچھے میاں آیا

صحیح:

دیکھو مرے پلے پر وہ اچھے میاں آیا

نسخۂ بریلی (ص:۴۲):

مومن ہے جوان کی عزت پہ مرے دل سے

صحیح:

مومن وہ ہے جو ان کی عزت پہ مرے دل سے

نسخۂ بریلی (۴۵):

جو کچھ بیاں ہوا وہ آغاز باب تھا

صحیح:

جو کچھ ہوا بیان وہ آغاز باب تھا

نسخۂ بریلی (ص:۵۲)

أبداًعلی　　أفق　　لاتغرب

صحیح:

أبداًعلی　　أفق　　العلیٰ　　لاتغرب

نسخۂ بریلی (ص:۵۳):

شجر سرو سہی کس کے اگائے تیرے

☆نسخۂ رضا اکیڈمی، نسخۂ صدر الشریعہ میں اسی طرح سے ہے، نسخۂ حضرت مصنف میں مصرع یوں ہے:

شجرے، سروسہی، کس کے اگائے، تیرے

(اوگائے کو اگائے کردیا گیا ہے۔شرر)

نسخۂ بریلی (ص۷۸):

تمھارے نعل کی ناقص مثل ضیائے فلک

☆''نسخۂ رضا اکیڈمی، نسخۂ صدر الشریعہ میں اسی طرح ہے۔نسخۂ حضرت مصنف میں مصرع یوں ہے:

تمھاری نعل کی ناقص مثل ضیائے فلک

نسخۂ بریلی (ص:۸۵):

جس کی خاطر مرگئے منِعم رگڑ کر ایڑیاں

صحیح:

جس کی خاطر مرگئے منعَم رگڑ کر ایڑیاں

از نسخۂ رضا اکیڈمی، نسخۂ صدر الشریعہ، نسخۂ حضرت مصنف۔

نسخۂ بریلی (ص:۱۰۰):

ہے انھیں کے نور سے سب عیاں، ہے انھیں کے جلوہ میں سب نہاں

☆ ہے انھیں کے نور سے سب عیاں ہے انھیں کے جلوے میں سب نہاں

نسخۂ بریلی ((ص:۱۰۱):

وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

صحیح:

وہ نبی ہے جس کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

از نسخۂ رضا اکیڈمی، نسخہ صدر الشریعہ، نسخۂ فاضل مصنف

نسخۂ بریلی ((ص:۱۰۴):

کیوں نہ زیبا ہو تجھے تاجوری تیرے ہی دم کی ہے سب جلوہ گری

نسخۂ رضا اکیڈمی، نسخۂ صدر الشریعہ میں اسی طرح ہے۔ نسخۂ فاضل مصنف میں یوں ہے:

☆ کیوں نہ زیبا ہو تجھے تاجوری تیری ہی دم کی ہے سب جلوہ گری

نسخۂ بریلی ((ص:۱۰۴)

ہم تو ان کے کف پا پر مٹ جائیں ان کے در پر جو مٹا کرتے ہیں

☆ ہم تو ان کی کف پا پر مٹ جائیں ان کے در پر جو مٹا کرتے ہیں

(''اون کی'' کو ''ان کی'' کر دیا گیا ہے۔ شرر)

نسخۂ بریلی ((ص:۱۰۵):

وارستہ پا ہے بستۂ دام ابو الحسین

صحیح:

وارستہ پائے بستۂ دام ابو الحسین

از نسخۂ رضا اکیڈمی، نسخۂ صدر الشریعہ، نسخۂ فاضل مصنف۔

نسخۂ بریلی ((ص:۱۰۵):

ذرہ کو مہر قطرہ کو دریا کرے ابھی

نسخۂ بریلی نسخۂ رضا اکیڈمی اور نسخۂ صدر الشریعہ کے مطابق ہے۔

☆ ذرے کو مہر قطرے کو دریا کرے ابھی

نسخۂ بریلی (ص:۱۰۷)

یوں تن زار کے درپے ہوئے دل کے شعلو

☆ کیوں تن زار کے درپے ہوئے دل کے شعلو

نسخۂ بریلی (ص:۱۰۸)

چرچے حوروں میں ہیں دیکھو تو ذرا بال براق

صحیح:

چرچے حوروں میں ہیں دیکھو تو ذرا یالِ براق

نسخۂ بریلی (ص:۱۱۱)

پھر دکھا دے وہ ادائے گل خنداں ہم کو

☆ پھر دکھا دے وہ ادا اے گل خنداں ہم کو

نسخۂ بریلی (ص:۱۱۴):

پل سے اتارو راہِ گزر کو خبر نہ ہو

صحیح:

پل سے اتارو راہ گزر کو خبر نہ ہو

نسخۂ بریلی (ص:۱۱۶)

یا الٰہی جب چلوں تاریکِ راہِ پل صراط

صحیح:

یا الٰہی جب چلوں تاریک راہ پل صراط

نسخۂ بریلی (ص:۱۱۷)

کیا مدینہ سے صبا آئی کہ پھولوں میں ہے آج

☆ کس کے کوچے سے صبا آئی کہ پھولوں میں ہے آج

نسخۂ بریلی (ص:۱۲۳)

مومن ہے وہ جو اُن کی عزت پہ مرے دل سے

صحیح:

مومن وہ ہے جو اُن کی عزت پہ مرے دل سے

نسخۂ بریلی (ص:۱۲۵):

او شہد نمائے زہر در جام

☆ او شہد نما وَ زہر در جام

نسخۂ بریلی (ص:۱۲۵):

یاروں میں کیسے متقی سے

☆ یاروں میں ہو کیسے متقی سے

از نسخۂ صدر الشریعہ و حضرت مصنف

نسخۂ بریلی (ص:۱۲۶): شجرۂ عالیہ۔ صحیح: شجرۂ علیہ

نسخۂ بریلی (ص:۱۲۸):

بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

☆ بٹ رہی ہے رات دن نعمت رسول اللہ کی

نسخۂ بریلی (ص:۱۲۹)

جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

☆ جانِ صد اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

نسخۂ بریلی (ص:۱۳۰):

فرش تا عرش سب آئینہ ضمائر حاضر

☆ عرش تا فرش سب آئینہ ضمائر حاضر

نسخۂ بریلی (ص:۱۳۱):

خود وہ گر کر سجدہ میں تم کو اٹھاتے جائیں گے

☆ خود وہ گر کر سجدے میں تم کو اٹھاتے جائیں گے

نسخۂ بریلی (ص:۱۳۵):

مہِ بے داغ کے صدقہ جاؤں

☆مہِ بے داغ کے صدقے جاؤں

نسخۂ بریلی (ص:۱۳۵)

سنیو! اِن سے مدد مانگے جاؤ

صحیح:

سنیو! اُن سے مدد مانگے جاؤ

نسخۂ بریلی (ص:۱۴۲):

عرش سا فرش زمیں ہے فرش پا عرش بریں

☆فرش سے تا عرش پامال خرام یار ہے

نسخۂ بریلی (ص:۱۴۳):

چاند شق ہو، پیڑبولیں، جانور سجدہ کریں

صحیح:

چاند شق ہو، پیڑبولیں، جانور سجدے کریں

(نسخۂ رضا اکیڈمی، نسخۂ صدرالشریعہ، نسخۂ فاضل مصنف کے مطابق)

نسخۂ بریلی (ص:۱۴۵):

سدرہ سے تا زمیں جسے نرم سی اک اڑان ہے

☆سدرہ سے جس کی تا زمیں نرم سی ایک اڑان ہے

(اوڑان کو اڑان کر دیا گیا ہے)

نسخۂ بریلی (ص:۱۵۲):

شراب قَدْ رَأ الْحَق زیب جام مَنْ رَأنی ہے

صحیح:

شراب قَدْ رَأ الْحَق زیب جام مَن رَّأنی ہے

نسخۂ بریلی (ص:۱۷۷):

رومی غلام، دن حبشی، باندیاں شبیں

صحیح کتابت:

رومی غلام دن، حبشی باندیاں، شبیں

نسخۂ بریلی (ص:۱۷۹)

لب وا ہیں آنکھیں بند ہیں پھیلی ہے جھولیاں

صحیح:

لب وا ہیں آنکھیں بند ہیں پھیلی ہیں جھولیاں

نسخۂ بریلی (۱۸۱):

وہاں فلک پر یہاں زمیں پر رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں

صحیح:

وہاں فلک پر یہاں زمین پر رچی تھی شادی مچی تھیں دھومیں

نسخۂ بریلی (ص:۲۰۹)

طارِم اعلیٰ کا عرش جس کف پا کا ہے فرش

صحیح:

طارم (بضم ''ر'' یا ''بفتح ''ر'')

نسخۂ بریلی (ص:۲۰۹):

سینہ ہے کہ داغ داغ کہہ دو کرے باغ باغ

صحیح:

سینہ کہ ہے داغ داغ کہہ دو کرے باغ باغ

نسخۂ بریلی (ص:۲۱۱)

اک طرف اعدائے دیں ایک طرف ہیں حاسدیں

صحیح:

اک طرف اعدائے دیں ایک طرف حاسدیں

نسخۂ بریلی (ص:۲۲۲):

نصیب پست نشیناں بلندیست ایں جا

اصح:

نصیب پست نشیناں بلندی ست ایں جا

نسخۂ بریلی (ص:۲۲۸):

اس سہی سروِ قامت پہ لاکھوں سلام

صحیح:

اس سہی سروْ قامت پہ لاکھوں سلام

(سہی سرو-سرو سہی کی ترکیب مقلوبی ہے)

نسخۂ بریلی (ص:۲۳۴)

زاہد مسجد احمدی پہ درود

صحیح:

زاہد مسجد احمدی پر درود

نسخۂ بریلی (ص:۲۳۴):

جس مسلماں نے دیکھا انہیں ایک نظر

صحیح:

جس مسلماں نے دیکھا انہیں اک نظر

نسخۂ بریلی (ص:۲۳۷) شَجَرَةٌ طَيِّبَةٌ

صحیح:

شَجَرَةٌ طَيِّبَةٌ

نسخۂ بریلی (ص:۲۴۴):

ابرِ گو ہرگز مبار و نہر گو ہر گز مریز

صحیح:

ابر گو ہرگز مبار و نہر گو ہرگز مریز

(''ر'' غیر مکسور)

نسخۂ بریلی (ص:۲۴۶):

یاحیاۃ الجود یاروح المنا امدا دکن

صحیح:

یاحیاۃ الجود یاروح المنیٰ امدا دکن

نسخۂ بریلی (ص:۲۵۲):

مصطفی خیر الوریٰ ہوں

صحیح:

مصطفی خیر الوریٰ ہو

نسخۂ بریلی (ص:۲۶۷)

میرے آقا کا وہ در ہے ہے جس پر

(ایک ہے زائد)

نسخۂ بریلی (ص:۲۷۱)

شکستم رنگِ سامانم اغثنی یا رسول اللہ

صحیح:

شکستم رنگ سامانم اغثنی یا رسول اللہ

(رنگ بغیر اضافت)

نسخۂ بریلی (ص:۲۷۸):

امروز زدی، دی ز پری خوب تری

صحیح:

امروز زدی، دی ز پری، خوب تری

نسخۂ بریلی (ص:۲۸۹)۔انشاء اللہ۔ صحیح: ان شاء اللہ

نسخۂ بریلی (ص: ۳۰۰)

باہمیں دست دوتا و دامن کوتاہ تنگ

صحیح:

باہمیں دست دوتا وَ دامن کوتاہ و تنگ

نسخۂ بریلی (ص: ۳۱۴)

صد چوں جان من فدائے نام تو

اصح:

صد چو جان من فدائے نام تو

نسخۂ بریلی (ص: ۳۱۷):

جس میں تیرا کچھ خرچ نہیں دے مولیٰ

صحیح:

جس میں ترا کچھ خرچ نہیں، دے مولیٰ

پشتارۂ اغلاط سے وہ اغلاط مراد ہیں جو صریحی طور پر اس ''تصحیح شدہ نسخے میں موجود ہیں، ساتھ ہی کئی اشعار میں فاضل مصنف اور صدرالشریعہ کے تصحیح کردہ نسخوں میں فرق ہے۔ اس فرق کو اسٹار (☆) کے ذریعہ ظاہر کر دیا گیا ہے۔

نظم معطر

مولانا حسن رضا خاں نے (فارسی رباعیات) ''نظم معطر''، ''بفرمائش جناب مصنف'' نادری پریس بریلی سے طبع کرائی تھی۔ اس کی دھندلی فوٹو کاپی راقم الحروف کے پیش نظر ہے۔ کئی الفاظ غیر مقروء ہیں۔ حمدیہ رباعی سے پہلے کے تعارفی کلمات یہ ہیں:

''نظم معطر'' سنہ ۱۳۰۹ یعنی رباعیات ردیف وار در منقبت سرکار حضور پرنور مولائے اکرم غوث الاعظم صلی اللہ تعالیٰ علی جدہ الکریم و آباء ہ الکرام و علیہ وبارک وسلم۔ تصنیف لطیف مخدوم ومکرم اخ الاعظم

جناب مولٰنا مولوی محمد احمد رضا خان صاحب رضا دام مجد ہم''۔

اس نسخہ میں دو رباعیوں کے دو مصرعے جملہ نسخوں کے مصرعوں سے مختلف ہیں:

(۱)

ے، نے نور چراغ عبدالقادر
ے، نے نورے ز باغ عبدالقادر
ہم آیۂ رشد ہست و ہم مایۂ خلد
یا رب چہ خوش است ایاغ عبد القادر

دیگر نسخوں میں (نسخۂ شمس بریلوی، نسخۂ رضا اکیڈمی، نسخۂ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی وغیرہ میں) تیسرا مصرع یوں ہے:

ہم آب رشد ہست و ہم مایۂ خلد

(۲)

براوج ترقی شدہ عبدالقادر — تا نام خدا
خیمہ بہ تنزل زدہ عبدالقادر — ناس اندو ہدیٰ
بالجملہ بقرآن رشادوارشاد — در بدء و ختام
بسم اللہ وناس آمدہ عبدالقادر — حمد ست ابدا

دیگر نسخوں میں دوسرا مصرع یوں ہے:

خیمہ مستزل زدہ عبد القادر

بریلی کے تصحیح شدہ نسخہ میں ''ابداً'' ہے جو سہو کاتب ہے۔

التماس

امام احمد رضا اکیڈمی بریلی کے مبینہ ''تصحیح شدہ'' نسخہ کا حشر آپ کے سامنے ہے۔ اب ایک ایسے ایڈیشن کی اشاعت کی ضرورت ہے جو محض دعویٰ کی حد تک ''صحیح تر'' نہ ہو بلکہ فی الواقع صحیح تر ہو۔

اس کارِ اہم کی انجام دہی کے لیے مدیر ''نعت رنگ'' محترم سید صبیح رحمانی حفظہ اللہ تعالیٰ اور مدیر ''دبستانِ نعت'' ڈاکٹر سراج احمد بستوی سلمہ اللہ تعالیٰ کی نگاہیں اس ہیچمرز پر مرکوز ہوئیں

لیکن اب یہ کام تنہا میرے بس کا نہیں ہے اگر کوئی حرف آشنا بندۂ خدا آگے آئے تو اس کا بھرپور تعاون کیا جائے گا۔

مولانا عبدالسلام نہوا کھیڑوی نے اس اکیڈمی کی تصحیح و تحقیق ٹیم کی نمائندگی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''اس اشاعت میں اگر کوئی خوبی ہے تو وہ آپ ہی کی (مولانا محمد احمد مصباحی کی) رہنمائی اور کرم فرمائی ہے''۔(ص:۱۰)

اگر اس مدحیہ جملے کو ''مصرع'' فرض کرلیا جائے تو اس کے برابر کا دوسرا فصیح مصرع (جملہ) اس کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتا کہ:

> ''اس اشاعت میں اگر کوئی خامی ہے تو اس کے براہ راست ذمہ دار بھی آپ ہی ہوں گے''۔

موقع کی مناسبت سے علامہ محی الدین غازی اجمیری (۱) کی بیان کردہ ایک حکایت یاد آگئی جو انھیں کے لفظوں میں قارئین کرام کی دلچسپی کے لیے نقل کررہا ہوں:

''عرب کے ایک مشہور فصیح البیان نامور شاعر ''امرءالقیس'' (۲) کی لڑکیوں کا دلچسپ واقعہ''

متعدد وجوہ کی بنا پر کچھ لوگ امرءالقیس کے دشمن اور اس کے قتل کے درپے ہوگئے تھے اور موقع کی تلاش میں لگے رہتے تھے۔ بدقسمتی سے ایک دن صحرا میں دوبدو دشمنوں سے اس کی مڈ بھیڑ ہوگئی۔ یہ اکیلا اور نہتا تھا۔ مسلح دشمنوں نے اس کو للکارا۔ اب قتل سے مفر اور گریز کی کوئی راہ نہ تھی۔ اس نے التجا کی کہ قتل کے بعد میری دونوں بیٹیوں تک میرا یہ پیغام پہنچادیا جائے۔ پیغام ایک مصرع تھا:

ألا ابنتا امرء القيس ان اباكما

(اے امرءالقیس کی دونوں بیٹیو تمھارا باپ)

---

(۱) آپ شیخ اجل حضرت علامہ معین الدین اجمیری کے علاتی بھائی تھے۔

(۲) عرب میں امرءالقیس نامی ۱۶ رشعرا گزرے ہیں۔(المزھر للسیوطی، ج:۲) یہ حکایت کس امرءالقیس سے متعلق ہے احقر کو اس کا علم نہیں۔ شررؔ

ظاہر ہے کہ کلام (مصرع) ناتمام و ناقص تھا اور کسی خاص مفہوم کی جانب مشعر نہ تھا چناں چہ قتل کر چکنے کے بعد دونوں قاتل مقتول کے قبیلے میں پہنچے۔لڑکیوں سے کہا کہ تمھارے باپ نے یہ مصرع بطور پیغام تم کو بھیجا ہے:

ألا ابنتا امرء القیس ان ابا کما

لڑکیوں نے مصرع کے ذریعے پیام سنا، قدرے تأمل کیا پھر دونوں نے جھپٹ کر دونوں پیام برقاتلوں کے ہاتھ پکڑ لیے اور نالہ وشیون کا طوفان برپا کر دیا۔شور سن کر تمام پڑوس اکٹھا ہو گئے۔لڑکیاں رو رو کر اور سر پیٹ کر الزام دھر رہی تھیں کہ یہ دونوں ہمارے باپ کے قاتل ہیں ہم ان سے قصاص لیں گے۔ بالآخر دونوں مستغیث اور ملزم فصل خصومات کرنے والی قبیلے کی پنچایت میں پیش ہوئے۔لڑکیوں نے قتل کا استغاثہ کیا۔ملزم انکاری ہوئے۔استغاثہ کی دلیل یہ تھی کہ ملزم پیام لے کر آئے ہیں کہ

ألا ابنتا امرء القیس ان ابا کما

یہ پیام نامکمل اور مصرع ناتمام ہے اس مصرع کی تکمیل کسی ایسے ہی دوسرے مصرع کے ذریعے ہونا چاہیے جو فصاحت میں اسی معیار کا ہو اور دوسرا مصرع اس کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتا کہ:

لقد قتل وقاتلاہ لدا کما

یعنی اے امرء القیس کی دونوں بیٹیو! خبردار ہو جاؤ کہ تمھارا باپ قتل کر دیا گیا ہے اور دونوں قاتل تمھارے سامنے ہیں۔

لڑکیوں کی اس دلیل کے خطوط پر تحقیقات ہوئی جرح قدح کے بعد ملزموں کو اقرار کرنا پڑا اور دونوں قصاص میں مارے گئے۔

(از مصطلحات علوم وفنون عربیہ، ص: ۲۴۴/۲۴۳، انجمن ترقی اردو پاکستان)

استدراک

مجھے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے چند اہل علم عقیدت مندوں سے یہ شکایت رہا کی ہے کہ اگر ''حدائق بخشش'' کی غلو کی حد تک تعریف کی جاتی ہے تو بھی ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں بلکہ یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ ہمیں وہ حقائق و دقائق معلوم ہو گئے جواب تک معلوم نہیں تھے۔اس کی پوری تفصیل

ماہنامہ جام نور دہلی میں شائع مضمون بعنوان ''کلام امام اور ہماری سخن فہمی'' میں ملاحظہ فرمائیں۔(۱) اور اگر بہ ظاہر کوئی شعر از روئے فن غور طلب نظر آئے اور اہل علم کی توجہ منعطف کرائی جائے تو آنکھیں پھرنے لگتی ہیں جب کہ سوال کا معقول جواب دے کر سائل کو مطمئن کرنا چاہیے۔

اسی قبیل کا یہ شعر حدائق بخشش حصہ دوم ''مثنوی رد امثالیہ'' میں ہے:

کہ بہ شش طبقات زیرین زمیں
حق فرستاد انبیا و مرسلیں

میں نے مولانا محمد احمد مصباحی بھیروی سے اس کے بارے میں سوال کیا تھا جو آں موصوف کے نام خط میں مذکور ہے۔ نہ آں جناب نے جواب دینے کی زحمت فرمائی نہ فن عروض کے ماہر اور شعر وسخن کے معاملہ میں وسیع اور گہری نظر رکھنے والے مولانا صغیر اختر مصباحی نے کوئی جواب دیا جب کہ یہ فنی سوال تھا اور سوال حق بجانب تھا۔ اگر ان حضرات کے پاس جواب نہیں تھا تو کم از کم اس کی فکر تو کرتے کہ یہ سقم کیوں کر در آیا ہے جب کہ ہم امام علم وفن حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے کلام میں اس طرح کے نقص کا وہم بھی نہیں کر سکتے۔

اَللّٰھُمَّ

جیسا کہ ظاہر ہے اعلیٰ حضرت کے زمانۂ حیات میں حدائق بخشش حصہ دوم کی اشاعت نہیں ہوئی تھی (ورنہ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے اسے حدائق بخشش حصہ دوم کا نام ہرگز نہیں دیا جاتا) نہ ہی حضرت صدر الشریعہ کے زمانۂ قیام بریلی میں یہ حصہ دوم شائع ہوا تھا نہ ہی اس کی تصحیح دقت نظر سے کی گئی۔ طبع اول میں جو چھپ گیا اسی کی بعد میں کاپی ہوتی رہی۔

غالباً ۱۹۹۴ء میں ایک شعر میری نظر سے گزرا تھا۔

ایں لبانت جلوہ بار شہد کن
قم بفرما مردہ ام را زندہ کن

دیکھتے ہی میری نظر ٹھہر گئی کہ امام علم وفن ''شہد'' اور ''زندہ'' کو ہم قافیہ کیسے کر سکتے ہیں۔ اُن دنوں میرے پاس امجدیہ کراچی کے علاوہ بریلی کے حسنینی، ریحانی وغیرہ نسخے تھے، سب نسخوں میں یہ شعر اسی طرح درج تھا حتی کہ علامہ شمس بریلوی جیسے محقق کے تصحیح کردہ نسخے میں بھی شعر

(۱) زیر طبع کتاب ''نقد ونظر'' میں بھی یہ مضمون شامل ہے۔

اسی طرح ہے۔ میں نے جب غور وتأمل کیا تو یوں چول بیٹھ گئی:

ایں لبانت شہد بار جلوہ کن
قم بفرما مردہ ام را زندہ کن

جب مصرع اول میں الٹ پھیر کر کے یہ نقص دور ہو گیا تو مجھے ایسا لگا کہ یہ امداد غیبی سے ہوا ہے، پھر میں حضرت احسن العلما کی خدمت میں مارہرہ مطہرہ حاضر ہوا۔ معروضہ پیش کیا۔ حضرت حسن میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے میری تائید کی، ڈھیر سی دعائیں دیں اور میری گزارش پر ایک اعلامیہ جاری فرمایا جو ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور اور مسلم ٹائمز ویکلی ممبئی میں شائع ہو چکا ہے۔ اسی اعلامیہ میں میری نشاندہی پر حضور نوری میاں علیہ الرحمہ کے سال مسند نشینی کی تصحیح بھی تھی جو قدیم نسخوں میں ۱۲۹۸ھ تھا جس کی تصحیح ۱۲۹۷ھ سے کی گئی۔

جیسا کہ میں مولانا محمد احمد مصباحی کے نام اپنے خط میں ذکر کر چکا ہوں کہ:

> ''میری فہم ناقص میں اس مثنوی کے صدر وابتدا میں ''کہ'' لایا ہی نہیں جاسکتا کیوں کہ ''کہ'' (بیانیہ) کی ''ہ'' صرف اظہار حرکت ماقبل کے لئے ہے'' الی آخرہ۔

اب بہت غور وخوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ شعر بھی طبع اول کا زخم خوردہ ہے۔ حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے یوں نظم کیا ہوگا:

کیں بہ شش طبقات زیرین زمیں
حق فرستاد انبیا و مرسلیں

اس سے فن کا داعیہ بھی پورا ہو گیا اور مفہوم بھی علیٰ حالہ باقی رہا۔ اسی مثنوی میں یہ شعر بھی ہے:

کیں جھولاں را ز طعن دور باد
ہم بدنیا کیک در موزہ فتاد

اسی طرح حدائق بخشش حصہ سوم میں بھی جس کے صدر وابتدا کا پہلا لفظ سبب خفیف سے شروع ہے اور ''کہ'' لایا نہیں جاسکتا، کیں (کہ ایں کا مخفف) استعمال ہوا ہے۔

کیں ہمہ نازش ازیں نو زادہ استر می کنند
کیں ہمہ قلب و دغل درکار داور می کنند
کیں ہمہ ناز از دو سہ پول گدا گر می کنند

میں بطور خود اپنے اس خیال سے مطمئن ہوں اور اسے طبع اول سے ہونے والی کتابت کی غلطی کی تصحیح سمجھتا ہوں۔ اگر کسی حرف شناس کو "بہ" کی زیادت کی وجہ سے اختلاف ہو تو اظہار خیال کی آزادی ہے۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خط تحریر میں اگر یہ مثنوی مارہرہ، بدایوں یا بریلی میں مل جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ میری یہ تصحیح اس کے مطابق ہوگی۔

اختتامیہ

اس مضمون کا محرک امام احمد رضا اکیڈمی بریلی کی یہ تحریر ہے کہ:

"تصحیح و تحقیق کا عمل پورا ہونے کے بعد اور کمپیوٹر پر تصحیحات بنائے جانے کے بعد حضرت مولانا محمد حنیف خاں صاحب نے فائنل کاپی نظر ثانی کے لیے آپ کی (حضرت مولانا محمد احمد مصباحی) کی خدمت میں بھیجی اور آپ نے کرم فرماتے ہوئے اس کو بالاستیعاب پڑھا"۔

میں مولانا مصباحی بھیروی کو ذاتی طور پر جانتا ہوں، ان کی حکمت و دانائی اور ژرف نگاہی کا قائل ہوں اس لیے مجھے یقین نہیں آرہا ہے کہ حضرت نے فائنل کاپی کو بالاستیعاب پڑھا ہوگا ہاں یہ ممکن ہے کہ اِدھر اُدھر سے چند اوراق ملاحظہ میں آئے ہوں اور اُن صفحات پر نظر نہ پڑی ہو جو اب ملاحظہ میں آئیں گے۔ بریلی کے محققین کو "بالاستیعاب" اور "نظر ثانی" کا جملہ استعمال نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں حضرت مصباحی صاحب سے بھی ملتمس ہوں کہ وہ ایک تحریر کے ذریعے اِن دو لفظوں کے اپنی طرف انتساب سے اعلانِ براءت کردیں۔ اگر انھوں نے از اول تا آخر (بالاستیعاب) فائنل کاپی ملاحظہ فرمائی ہوتی تو آیات قرآنیہ کی کتابت جو صریحاً رسم قرآنی کے برخلاف ہے اس کی یقیناً تصحیح کردی گئی ہوتی۔

(۱) مدیر نعت رنگ کے نام مکتوب

(۲) مدیر دبستان نعت کا مکتوب اور اس کا جواب

(۳) ڈاکٹر اشفاق انجم مالیگانوی کے نام کھلا خط

مدیر نعت رنگ کے نام مکتوب

محترم سید صبیح رحمانی مدیر نعت رنگ جون ۲۰۱۰ء میں دہلی آئے تو ڈاکٹر خوشتر نورانی مدیر جام نور نے فون پر موصوف کی آمد کی خوش خبری دیتے ہوئے مجھ سے کہا کہ سید صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ یہ ملاقات بارہ دری بلی ماران کی نہاری کی مشہور دکان کے دستر خوان پر ہو۔ یوں میں دیار مسیح الملک حکیم اجمل خاں میں حاضر ہوا اور لطف دوگونہ سے بہرہ مند ہوا۔ اس پہلی ملاقات میں میں نے انھیں کیسا پایا اگر اس کی مکمل تفصیل لکھوں تو اسی کا ہو کر رہ جاؤں اور نہایت مختصر لکھوں تو یوں کہ برسوں پہلے ملیشیا کی ایک لیڈی نے کہا تھا کہ میں ہندوستان کو پی ٹی اوشا کی وجہ سے جانتی ہوں۔ بس نام، جنس اور ملک کا نام تبدیل کر لیجیے۔

محترم سید صبیح رحمانی مصروف پروگرام کے تحت محدود ایام کے لیے انڈیا آئے تھے دوبارہ ملاقات کا تصور میرے ذہن میں نہیں تھا، اس لیے عجلت میں ایک خط لکھنے بیٹھا کہ اسے ڈاکٹر خوشتر کے ذریعہ آں موصوف تک پہنچا دوں گا اسی دوران دوسری ملاقات کے لیے موصوف کا فون آ گیا۔ میں ادھورا خط لے کر حاضر ہوا۔ مہمان کریم کو پڑھ کر سنایا۔ انھوں نے کہا کہ جس موضوع پر آپ کی تحریر ہے، یہ افادۂ عام کے لیے ہے، اور لکھیے، لکھتے جایئے۔ نعت رنگ میں پورا مضمون من وعن شائع کیا جائے گا۔ مگر افسوس کہ مصروفیات کے سبب گاڑی آگے نہ بڑھی۔ اس میں سستی اور کاہلی کا بھی دخل رہا۔ بہر حال مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ کے بمصداق جو کچھ ہے اسے زیر نظر کتاب میں شامل کیا جا رہا ہے۔

محب مکرم سید صبیح رحمانی بالقابہ

تسلیمات و خیر

بخیر ہوں، طالب خیر ہوں۔لبنان جانے سے پہلے عزیز ذوالقدر ڈاکٹر خوشتر نورانی نے خبر دی تھی کہ ''نعت رنگ'' کے امام احمد رضا نمبر کا پیکٹ پاکستان سے روانہ ہو چکا ہے۔ میں لطف انتظار اٹھاتے ہوئے بیروت چلا گیا، کئی ماہ بعد واپس آیا تو پہلی فرصت میں مکتبہ جام نور سے یہ وقیع مجلہ حاصل کیا جو اس وقت میرے پیش نظر ہے۔آپ نے اداریہ میں کرب کا اظہار کیا ہے مگر بات کھل کر نہیں کہی ہے۔ یہ نثر کا ایجاز نظموں میں، خاص طور پر غزلوں میں ملتا ہے۔ ہر ذی فہم اپنے احساس و ادراک کے اعتبار سے ایسے مجمل جملوں کی تشریح کرتا ہے اور الگ الگ نتیجے اخذ کرتا ہے، یہ آپ کے قلم کا اعجاز ہے۔

مولانا کوکب نورانی جو ''نعت رنگ'' میں مسلسل سرخیوں میں رہتے ہیں، ان کا قلمی شاہکار ''رضا کی زباں تمھارے لیے'' خاصے کی چیز ہے۔تحریر میں خطابت پوری شان و شوکت کے ساتھ موجود ہے۔ چند صفحات کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ موصوف کا مطالعہ وسیع ہے، نظر گہری ہے، حافظہ قوی ہے اور قوتِ استخراج غضب کی ہے۔عبارات کا تسلسل کہیں منقطع ہوتا نظر نہیں آتا۔ہاں یہ ضرور ہے کہ مضمون کے طول کو کم بلکہ بہت کم کیا جا سکتا تھا۔

اس مجلہ کی بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسے آپ نے ایک مخصوص فکر و مزاج کے حصار سے باہر رکھا ہے۔لکھنے والے کھلے ذہن سے لکھتے ہیں۔ ''علم زجاہ بے نیاز'' آپ کا مطمح نظر ہے۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے احقر کے مضمون کو بھی نعت رنگ کا حصہ بنا لیا ہے۔ ایسے مضمون کو جس کے مشمولات پاکستان کے ایک بڑے طبقے کو ناپسند ہیں، بھلا جس کتاب کو ہند و پاک کے جامعات میں شامل کیے جانے کی سفارش کی گئی ہو، اس کے خلاف شرر مصباحی احتجاج کرے اور نعت رنگ اسے شرف قبولیت عطا کرے۔ یہ جسارت، یہ جرأت، یہ ہمت اسی ''علم زجاہ بے نیاز'' کے طفیل ہے۔

آپ یقین کریں ہندوستان میں اس کا شدید ردِ عمل ہوا، اس لیے نہیں کہ میری تحریر

ایک ایسی کتاب کی قلعی کھول رہی تھی جس کی حقیقت سراب کی سی تھی بلکہ پروپگنڈا یہ کیا گیا کہ اس کتاب میں شررؔ مصباحی نے ''فن شاعری اور حسان الہند'' کی آڑ میں اعلیٰ حضرت کے فکر وفن پر تنقید کی ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی ہوا کہ بعض جامعات کے پروفیسروں نے فون پر مبارک باد دی، مضمون کو خوب سراہا۔ میں نے ایک پروفیسر صاحب سے کہا کہ حضرت آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں یہ تو میری حیثیت سے بہت زیادہ ہے۔ بس اس کا تھوڑا سا حصہ علی سبیل التنزل سہی، جام نور میں چھپوا دیجیے۔ بس یہیں سے گفتگو کا تسلسل بے ربط ہو گیا۔ خدا بہتر جانے یہ نفاق کی کوئی قسم ہے یا حالات کی مجبوری۔ اس سے کم از کم یہ امید تو پیدا ہو ہی گئی کہ اب حالات بدل رہے ہیں۔ دل کی بات زبان تک آنے لگی ہے۔ لیکن دماغ اسے افشا کرنے سے ابھی روکتا ہے۔ بہت جلد دماغ بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہو جائے گا۔

آپ کو شاید معلوم نہ ہو، میں نے برسوں کی محنت شاقہ کے بعد ہندو پاک کے مطبوعہ حدائق بخشش کے متعدد نسخے اکٹھا کر کے اغلاطِ کتابت کی تصحیح کی تھی، پھر جب علامہ سمنانی مرحوم سے صدر الشریعہ کے زیر اہتمام مطبوعہ نسخہ ملا تو میری خوشی دوبالا ہو گئی کہ میں نے صحیح سمت میں کام کیا ہے۔ افسوس کہ تمام تر احتیاط کے باوجود میرے مصححہ نسخہ میں بھی چند مقامات پر میری نشان دہی کے باوجود کاتب ترمیم نہیں بنا سکا۔ میں دہلی میں تھا اور کاتب ممبئی میں۔ شکر ہے کہ میں نے اپنے نسخہ مصححہ کے بارے میں جملہ اغلاط سے پاک ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ یہ دعویٰ اول اول مولانا شمس بریلوی نے کیا، اس کے بعد محترم پروفیسر مسعود نے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو پاک میں جن حضرات کے پاس ان کے نسخے ہیں، ان میں جو اغلاط نظر آ رہی ہیں وہ شاعر کے کھاتے میں جا رہی ہیں۔ اسی لیے میں نے پروفیسر مسعود کے نسخے کی اغلاطِ کتابت کی ایک فہرست رضا اکیڈمی والے نسخے میں چھاپ دی تھی تا کہ قاری کا ذہن شاعر کی غلطی سمجھنے کی غلطی نہ کرے، مگر افسوس اسی مجلہ نعت رنگ میں ایک پروفیسر صاحب نے بعض اغلاطِ کتابت کو شاعر کے کھاتے میں ڈال دیا۔ عبارت ملاحظہ ہو:

''حدائق بخشش میں لسانی وعروضی کچھ سہو بھی ہمارے سامنے آئے ہیں۔

ادبی دیانت داری کا تقاضا ہے کہ ان کی بھی نشان دہی کردی جائے''۔

پھر یوں نشان دہی فرمائی گئی ''مولانا احمد رضا خان نے اکثر اشعار میں ''پاؤں'' کا لفظ بروزن ''فعلن''، استعمال کیا ہے جب کہ اسے ''فعل'' کے وزن پر باندھا جاتا ہے۔

ان کا منگتا پاؤں سے ٹھکرا دے وہ دنیا کا تاج
جس کی خاطر مرگئے منعَم رگڑ کر ایڑیاں''

میرے اس مکتوب کے تسلسل میں اسے جملۂ معترضہ قرار دیا جائے۔ یہاں نہ سہو کاتب ہے نہ فاضل بریلوی نے ''پاؤں'' کا استعمال ''بروزن ''فعلن'' کیا ہے۔ یہ ہر طرح سے موزوں ہے۔ نجفی صاحب ہی سے سہو ہوگیا ہے۔ اکثر تو کیا ایک شعر بھی ایسا نہیں ہے جس میں یہ لفظ بصورت واحد ''فعلن'' کے وزن پر استعمال ہوا ہو۔

دوسرا سہو یوں ظاہر کیا ہے:

''نظر'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کے پہلے دو حرف ''ن'' اور ''ظ'' بالفتح ہیں۔ مولانا نے حرف ''ظ'' بالجزم باندھا ہے جس سے مصرع ساقط الوزن ہوگیا۔

وہی نظر شہ میں زرنکو جو ہو ان کے عشق میں روبرو
گل خلد اس سے ہو رنگ جو یہ خزاں وہ تازہ بہار ہے''

محترم نجفی صاحب نے سیدھا الزام شاعر کے سرمنڈھ دیا، کیوں کہ جس نسخہ حدائقِ بخشش میں انھوں نے یہ شعر دیکھا اور تصحیح کتابت کے بھرپور التزام کے ادعا پر بھی نظر پڑی تو ظاہر ہے کہ الزام شاعر کے سر آنا ہی تھا اگر نجفی صاحب اگر ادنیٰ تأمل سے کام لیتے تو انھیں یہ کہنا زیادہ آسان تھا کہ مولانا احمد رضا خاں نے بالکل بے معنی شعر کہا ہے یا یہ کہ تاویل بعید کے بعد بھی اس شعر سے کوئی مفہوم اخذ نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ ''نظر شہ'' کا بے محل استعمال ظاہر و باہر ہے اور دقّتِ نظر سے غور فرماتے تو کھل جاتا کہ یہ ''نظر شہ'' نہیں ہے بلکہ

''نذر شہ'' ہے۔ یوں شعر بامعنی بھی ہو گیا اور ساقط الوزن بھی نہیں رہا۔ اب شعر یوں پڑھیے اور شاعر کو دادِ سخن دیجیے۔

وہی نذر شہ میں زرنکو جو ہوان کے عشق میں زردرو
گل خلد اس سے ہو رنگ جو یہ خزاں وہ تازہ بہار ہے''

(نسخۂ مصححہ شررمصباحی)

نجفی صاحب نے تیسرا سہو یوں ظاہر کیا ہے:

''ایک اور شعر میں انھوں نے عربی لفظ ''صفت'' کی 'ف'' کو ساکن کر دیا ہے، حالاں کہ وہ بالفتح ہے۔

جسے تیری صفتِ نعال سے ملے دو نوالے نوال سے
وہ بنا کہ اس کے اگال سے بھری سلطنت کا ادھار ہے

یہ شعر کتابت کے تیر کا شکار ہو گیا ہے۔ ہمارے خیال میں مولانا نے نعال جمع کے بجائے نعل واحد استعمال کیا ہو گیا''۔

نجفی صاحب قائل ہیں کہ مولانا نے ''صفت'' کی ''ف'' کو ساکن کر دیا ہے، اور کتابت کی غلطی انھیں ''نعال'' میں نظر آئی جو ان کے خیال کے مطابق ''نعل'' ہونا چاہیے لیکن نعال کو نعل کرنے کے بعد بھی تو مصرع کی چول نہیں بیٹھتی۔ اب بھی تو کان جیسی تھی ویسی ہی ہے۔ پھر از روئے معنی تو یہ شعر بالکل بے معنی ہو کر رہ گیا ہے۔ امام احمد رضا کے کلام میں جہاں کہیں غلطی کا اشتباہ ہو وہاں زورِ دماغ صرف کرنا چاہیے خاص طور پر جہاں کتابت کے تیر کا شکار ہونے کا اشتباہ ہو۔ یہ شعر نسخہ مصححہ راقم الحروف میں یوں ہے:

جسے تیری صفِ نِعال سے ملے دو نوالے نوال سے
وہ بنا کہ اس کے اگال سے بھری سلطنت کا ادھار ہے

نعت رنگ میں محترم رشید وارثی لکھتے ہیں:

اے تن تو گہہ سوار شہسوار عرش ناز
گہہ چناں پامال خیل اشقیا امداد کن

اس کا ترجمہ یہ کیا ہے:

''اے امام عالی مقام! آپ کا جسم مبارک کبھی عرش ناز کے شہسوار
(آسمان کی رفعتوں کو عبور کرنے والے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم)
کے مقدس جسم کا سوار بنا اور کبھی بدبختوں کے سموں سے پامال ہوا۔
میری مدد کیجیے''۔

یہاں وارثی صاحب نے حضرت شمس بریلوی کے نسخہ سے شعر نقل کیا ہے۔ مولانا شمس بریلوی منظر اسلام بریلی میں ۱۹۳۲ء سے ۱۹۴۴ء تک صدر شعبۂ فارسی رہے۔ آج وہ ہمارے درمیان ہوتے تو میں اُن سے عرض کرتا کہ جناب والا یہ عرش ناز ہے یا عرش تاز (اسم فاعل سماعی)۔ سچ یہ ہے کہ فاضل بریلوی نے عرش تاز لکھا ہے۔ یہ وہی عرش تاز ہے جو ان دو شعروں میں ہے

یعقوب گریانت شدہ ایوب حیرانت شدہ
صالح حدی خوانت شدہ اے یکہ تاز لامکاں

سرو ناز قدم مغز راز حِکَم
یکہ تاز فضیلت پہ لاکھوں سلام

اب آپ شعر پڑھیے اور دیکھیے کہ شعر کی معنویت یکہ تاز کے استعمال سے عرش کی بلندیوں کو چھو رہی ہے۔

کسی معروف شاعر کا شعر اگر بادی النظر میں بے معنی یا فاسد المعنی یا ناموزوں معلوم ہو تو انصاف و دیانت کا تقاضا ہے کہ پہلے شعر کی معنویت پر غور کیا جائے، عروض کے نکات ذہن میں ہوں یہ بھی نظر میں ہو کہ کہیں کاتب کی مہربانی سے مصرع کچھ کا کچھ تو نہیں ہو گیا ہے۔ غور و فکر کے بعد اکثر کسی اچھے نتیجہ تک پہنچا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر سراج احمد قادری بستوی کا مکتوب

محقق عصر حضرت علامہ ڈاکٹر شرر مصباحی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عرض ہے کہ ابھی حال ہی میں میں نے ایک کتاب سید صبیح رحمانی صاحب کی نعتیہ شاعری پر محترمہ ڈاکٹر شمع افروز صاحبہ کی ''صبیح رحمانی کی نعتیہ شاعری'' (فکریہ وتنقیدی تناظر) چھاپی ہے اس کتاب کے صفحہ ۱۳۷ پر ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری ''گنبد خضرا'' کی ترکیب اور اس کے استعمال کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت سید صبیح الدین کے جو نعتیہ اشعار مرقومہ بالا سطور میں نقل کیے گئے ہیں، ان میں سے کئی اشعار میں گنبد خضرا کی ترکیب اور ایک شعر میں گنبد سبز کی ترکیب مستعمل ہے۔ راقم کے نزدیک گنبد خضرا کی ترکیب نادرست ہے، کیوں کہ موصوف وصفت میں تذکیر و تانیث کی مطابقت لازمی ہے، جو گنبد خضرا میں مفقود ہے۔ اس ترکیب میں گنبد مذکر اور خضرا مونث ہے۔ خضـــرا، اسم تفضیل مونث کا صیغہ ہے جس کا مذکر صیغہ اخضـــر ہے۔ گنبد کا عربی متبادل قبہ ہے، جس کی جمع قبات ہے،

خضرا کا فارسی متبادل سبز ہے۔ فارسی و عربی دونوں قواعد کی رو سے موصوف وصفت میں موصوف پہلے آتا ہے اور صفت بعد میں آتی ہے۔ اس لے ''القبۃ الخضر اء'' ''قبہ خضرا'' دونوں ترکیبیں درست ہیں، کیوں کہ اس قسم کی ترکیبوں میں معرفہ ونکرہ کی مطابقت بھی لازمی ہے۔ ''گنبد سبز'' صفت و موصوف دونوں ہی فارسی الاصل ہیں اور ترکیب، فارسی علم القواعد کے عین مطابق ہے۔ اس لیے گنبد سبز کی ترکیب بالکل درست ہے۔ گنبد خضرا میں شترگربہ بھی ہے''۔

آپ سے دریافت کرنا ہے اس ترکیب کا استعمال عصر حاضر کے اکثر نعت گو شعرا کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ کیا اس لفظ کا استعمال فارسی اور اردو کے استاد شعرا نے اپنے کلام میں کیا ہے؟ اگر کیا ہے تو ان کے کلام کو حیطۂ تحریر میں لاتے ہوئے تفصیل سے اس موضوع پر روشنی ڈالیں جس سے کہ صورت حال روشن وواضح ہو جائے۔

سراج احمد قادری

مدیر مجلہ ''دبستان نعت''

نعت ریسرچ سینٹر۔ انڈیا

خلیل آباد، ضلع سنت کبیر نگر۔ یوپی۔

۱۹/ مارچ ۲۰۲۱ء

موبائل: 9415875761/7985754611

ڈاکٹر سراج احمد قادری کے مکتوب کا جواب

محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری حفظہ اللہ تعالیٰ

وعلیکم السلام

والا نامہ موصول ہوا۔ آپ نے مجھ بے بضاعت سے ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتحپوری کے اعتراض ''در بارۂ ترکیب گنبد خضرا'' استفسار کیا ہے، آپ ''دبستانِ نعت'' کے معزز اہل قلم سے یہ سوال کرتے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اطمینان بخش جواب حاصل ہوتا۔

میں آپ کے استفسار پر اپنی فہم ناقص کے مطابق جواب حاضر کررہا ہوں۔ اگر اہل علم کو اتفاق نہ ہو تو ازراہِ کرم مصلحانہ انداز میں میری رہنمائی فرمائیں۔

کسی لفظ کی صحتِ استعمال کے لیے سب سے بڑی سند فصحائے زبان کا کلام ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی لفظ لُغت اور قواعد کے برخلاف بین الفصحا شائع و ذائع ہے تو وہ بھی داخلِ فصاحت ہے کہ عرف کو افادۂ مقاصد میں دخل تام ہے۔

فصحائے فارس نے ''گنبد خضرا'' استعمال کیا ہے مثلاً:

ہر کجا پا می نہی باشد گلستان از سرور
نغمہائے بلبلاں تا گنبد خضرا ستی

صد ہزاراں آفریں بادا بر آں کس کو بفضل
سرفراز مرکز ایں گنبد خضرا شود

چناں کند چو خَضِرُ ملک شاہ را ز وجود
کہ صد ستارہ بتابد ز گنبد خضراش

از پئے حرمتِ کعبہ چہ عجب گر پس ازیں
بانگِ دقّ الکوس از گنبد خضرا شنوند

گنبدِ خضرا کی ترکیب کی صحت کے لیے یہ سند کافی ہے۔

ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب نے یہ جو لکھا ہے:

''راقم کے نزدیک گنبد خضرا کی ترکیب نادرست ہے کیوں کہ موصوف وصفت میں تذکیر و تانیث کی مطابقت لازمی ہے جو گنبد خضرا میں مفقود ہے اس ترکیب میں گنبد مذکر اور خضرا مؤنث ہے خضرا اسم تفضیل کا مؤنث صیغہ ہے جس کا مذکر صیغہ اخضر ہے۔ گنبد کا عربی متبادل قبہ ہے جس کی جمع قبات ہے۔ خضرا کا فارسی متبادل سبز ہے۔ فارسی وعربی دونوں کے قواعد کی رو سے موصوف وصفت میں موصوف پہلے آتا ہے اور صفت بعد میں آتی ہے''۔

مجھے اس پوری تقریر سے اختلاف ہے۔ موصوف کا یہ جملہ:

''موصوف وصفت میں تذکیر و تانیث کی مطابقت لازمی ہے جو گنبد خضرا میں مفقود ہے اس ترکیب میں گنبد مذکر اور خضرا مؤنث ہے''

ڈاکٹر صاحب سے یہاں سہو ہوا ہے۔ انھوں نے گنبد کو اردو کی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اس کا انطباق فارسی پر کر دیا ہے جب کہ فارسی زبان میں تذکیر و تانیث کے صیغے نہیں ہیں۔ مرد مخاطب ہو یا عورت دونوں کے لیے ایک ہی صیغہ ہے: **تو کجا می روی**

اسی سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ فارسی الاصل الفاظ میں موصوف وصفت کے مابین مبینہ مطابقت متصور نہیں۔ سال گزشتہ، سالہائے گزشتہ، نغمۂ شیریں، نغمہائے شیریں، مرد خردمند، مردم خردمند، مردمان خردمند کلام فارسی میں یہ سب مطرد ہیں اور فصیح ہیں حتی کہ عربی الفاظ اگر فارسی منہج پر استعمال ہوں تو اہل فرس موصوف وصفت کے مابین عربی قواعد کی مطابقت ضروری نہیں سمجھتے جیسے مجالس علمی، رتبۂ عالی، سیرت حسن، اوقاتِ عزیز، حصۂ اول، قبلۂ اول،، بمرتبۂ ثانی وغیرہ۔ فارسی منہج سے مراد یہ ہے کہ عربی میں موصوف کا حرفِ آخر مضموم ہوتا ہے (اگر

کوئی عامل مانع نہ ہو) جیسے نُقطَۃ مَوْهُوْمَۃ، سِلعَۃ غَالِیَۃ اور فارسی میں اسم موصوف کا حرف آخر ہمیشہ مکسور ہوتا ہے اور جیسا کہ مذکور ہوا فارسی الاصل الفاظ میں موصوف وصفت میں مبینہ مطابقت متصور نہیں اسی کے زیر اثر عربی کے موصوف وصفت والے الفاظ بھی آ گئے مثلاً حضرت آسی کی درج ذیل رباعی میں ''نقطۂ موہوم'':

کیوں نقطۂ موہوم بنایا ہم کو
کیوں دائرہ فنا میں لایا ہم کو
وہ سہو نویس تھا نہ ہم حرف غلط
کیوں صفحۂ ہستی سے مٹایا ہم کو

یا امام احمد رضا کا یہ شعر:

ان کے قدم سے سلعہ غالی ہوئی جناں
واللہ میرے گل سے ہے جاہ و جلال گل

جب کہ حضرت مصنف نے خود ''سلعۂ غالی'' پر یہ حاشیہ رقم کیا ہے۔ ''حدیث میں جنت کو ''سِلعَۃ غَالِیَۃ'' فرمایا ہے''۔ (حدائقِ بخشش)

الحاصل اہل فارس نے عربی الفاظ والے موصوف وصفت کو دونوں طرح سے استعمال کیا جا ہے عربی کے اصول کے تحت بھی جیسے مجالس علمیہ اور اپنے طریق پر بھی جیسے مجالس علمی وغیرہ۔

ڈاکٹر اسماعیل صاحب نے لکھا ہے:

''خضرا اسم تفضیل کا مؤنث صیغہ ہے جس کا مذکر صیغہ اخضر ہے''۔

یہاں بھی ڈاکٹر صاحب سے سہو ہو گیا ہے، اسم تفضیل کا مونث ''فُعْلیٰ'' کے وزن پر آتا ہے جیسے اصغر سے صُغْریٰ اور صفت مشبہ کا مؤنث ''فَعْلَاءُ'' کے وزن پر آتا ہے جیسے اخضر سے خَضْرَاءُ۔ یہ ہمزہ مکتوبی ملفوظی ہوتا ہے اور تقطیع میں محسوب ہوتا ہے۔ عربی کے قصائد ہمزیہ سے اس کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔ اہل فرس نے ''فَعْلَاءُ'' کا ہمزہ حذف کر دیا اور اردو زبان میں فارسی کا اثر ونفوذ زیادہ ہے اس لیے اردو میں بھی خضرا، زہرا، حمرا بغیر ہمزہ استعمال کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ معروض ہوا فارسی زبان میں تذکیر و تانیث کے صیغے نہیں ہیں اس لیے گنبد کو مذکر سمجھ کر خضرا کے جوڑ کو شتر گر بہ کہہ دیا گیا۔ یہ غلط فہمی اس لیے ہوئی کہ انھوں نے گنبد کو فارسی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ فارسی میں خضرا اور اخضر دونوں ہم معنی ہیں اسی لیے گنبد خضرا اور گنبد اخضر دونوں طرح فارسی میں مستعمل ہیں البتہ جہاں تک میرا مطالعہ ہے گنبد اخضر آسمان سے کنایہ ہے اور بالعموم گنبد خضرا روضۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گنبد کے لیے مستعمل ہے۔ ڈاکٹر اسماعیل کا یہ ارشاد گرامی کہ:

> ''فارسی و عربی دونوں قواعد کی رو سے موصوف وصفت میں موصوف پہلے آتا ہے اور صفت بعد میں آتی ہے''۔

اس سے بالکلیہ اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں شک نہیں کہ موصوف کے بغیر صفت کا کوئی مفہوم نہیں لیکن جہاں تک تقدم و تاخر کا تعلق ہے کہیں کہیں صفت کے موصوف پر تقدم کو فصحا نے زیادہ فصیح مانا ہے جیسے جواں مرد۔ والسلام

احقر العباد: شرر مصباحی

۲۳/ مارچ ۲۰۲۱ء

ڈاکٹر اشفاق انجم مالیگانوی کے نام کھلا خط

محترمی ڈاکٹر اشفاق انجم صاحب!

سلام مسنون

مرسلہ پیکٹ کی وصولیابی کی رسید حاضر کر چکا ہوں، کرم فرمائی کا مکرر شکریہ!

جو استفتا جامعہ اشرفیہ کو بھیجا گیا ہے وہ میری نظر سے گزرا ہے، دیکھیے کیا جواب آتا ہے، مجھے بھی انتظار ہے۔آپ نے میری رائے طلب کی ہے، میں کیا اور میری بساط کیا، تاہم امتثال امر واجب۔

آپ سے پہلی بار تخاطب کا شرف حاصل کر رہا ہوں اس لیے مختصراً تعارف پیش ہے۔

میں نے دار العلوم اشرفیہ مبارک پور سے فضیلت کی سند حاصل کرنے کے بعد تکمیل الطب کالج لکھنؤ سے ایف ایم بی ایس کا کورس مکمل کیا دو سال کے وقفے کے بعد اسی کالج میں تقرر ہوا، سات برسوں کی تدریسی خدمات کے بعد مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے قائم کردہ ''اے اینڈ یو طبیہ کالج نئی دہلی کے شعبۂ معالجات میں فرائض تدریس انجام دینے کا موقع ملا۔ اور 2004ء میں سبکدوش ہوا۔فاضل اوقات میں اساتذۂ سخن سے استفادہ کرتا رہا۔لکھنؤ میں بھی، دہلی میں بھی۔

آپ کی لیاقت علمی ''فصیل بے چراغ ہے'' کے ''تعارفِ مصنف'' سے ظاہر ہے۔ ماشاءاللہ، آپ ایم اے، بی ایڈ، پی ایچ ڈی ہیں۔شعبۂ اردو فارسی کے صدر اور اردو فارسی عربی بورڈ آف اسٹڈیز کے چیئرمین رہ چکے ہیں۔''یاران نکتہ داں کے لیے'' سے علم ہوا کہ ''پونہ

یونیورسٹی کے نصاب کے مطابق آپ نے بی اے اور ایم اے کے طلبہ کو پچیس برسوں تک پڑھایا ہے، یوں آپ سے میرا قد بہت چھوٹا ہے گو عمر میں بڑا ہوں۔

''فصیل'' سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ مشرباً ''مجددی'' ہیں یہ فضیلت مزید علیہ۔

دہلی کے معروف بزرگ، حضرت زید ابوالحسن فاروقی مجدّدی علیہ الرحمہ کی مجھ خاکسار پر نظرِ عنایت رہی ہے، ''سوانح بے بہائے امام اعظم'' نام احقر ہی کا تجویز کردہ ہے جس کا ذکر حضرت نے کتاب کے ''اختتامیہ'' میں کیا ہے۔

اس وقت آپ کی مرسلہ کتب ''فصیل بے چراغ ہے''، ''صلّوا علیہ وآلہ''، ''یارانِ نکتہ داں کے لیے'' اور ''تقدیس کا فنّی ولسانی تجزیہ'' کے مرسلہ اوراق میرے پیش نظر ہیں۔

''یارانِ نکتہ داں کے لیے'' کے سرسری مطالعہ کے بعد میرا اولیں تاثر یہ ہے کہ آپ نے شاعروں کے کلام کا بڑی باریک بینی سے تنقیدی جائزہ لیا ہے اور بعض مقامات پر نگاہ کا ارتکاز اس حد تک ہوا کہ جو موجود فی الخارج نہیں تھا وہ بھی تصور کی مہربانی سے نظر آ گیا، دوسرا یہ کہ لہجہ انتہائی سخت ودرشت ہے۔

کسی کلام پر نقد کر کے اس کے حسن وقبح کو اجاگر کرنا بے شک نقاد کا حق ہے لیکن صحیح کو اصح کرنا، فصیح کو افصح کرنا ساتھ ہی شاعر پر حقارت آمیز فقرے کسنا یہ ''مجموعہ'' دائرۂ نقد میں نہیں آتا۔ شاعر کبھی نہیں چاہتا کہ اس کے کلام میں نقص ہو، ایسا یا تو لاعلمی کی وجہ سے ہوتا ہے یا بے خیالی کے سبب جس کی نشان دہی مشفقانہ ہونی چاہیے نہ کہ جارحانہ۔

اثر صدیقی نے ''بخشش ماں'' نظم کر دیا، آپ نے ''دشت ببول'' آپ کے استاذ محترم حضرت ادیب مالیگانوی نے ''آغوش سمندر'' یہ ترکیب کی غلطی ہے۔ یا راحت اندوری نے ''صِفْر'' کو ''صِفَر'' نظم کر دیا، آپ نے ''دَہَن'' (بالفتح) اور آپ کے استاذ ادیب الملک نے ''دُبُل'' کو ''دُبَل'' (تبسم میں) یہ لغوی غلطیاں جو کہ استعمال عامّہ کے خلاف ہیں محض لاعلمی یا بے خیالی کا نتیجہ ہیں مگر اِکّا دُکّا اسقام کی وجہ سے کسی فنکار کو مطعون نہیں کیا جا سکتا۔

سلیم شہزاد، اثر صدیقی، شبیر آصف، راحت اندوری وغیرہ کے اشعار پر اظہار خیال کرتے ہوئے آپ کا انداز تحریر۔ ''ہم چنیں دیگرے نیست'' کا مُشعِر ہے، وہ بھی ایسی صورت میں جب کہ یہ فنّی ولسانی عیوب ''فصیل بے چراغ ہے'' اور ''صلّوا علیہ وآلہ'' میں بتمام وکمال

موجود ہیں (اگر آپ کی نظر سے دیکھا جائے) پورے ادب و احترام کے ساتھ آپ کے مُصَنَّفات کا مطالعہ کر کے اپنی رائے پیش کر رہا ہوں۔ (مطالعہ ہنوز جاری ہے۔)

برکت

شبیر آصف:

وہ جو اوصاف نبی لکھتا ہے
اس کی تحریر میں برکت ہے بہت
وہ جو تعظیم نبی کرتا ہے
اس کے درجات میں عظمت ہے بہت

ارشاد گرامی: ''پہلے شعر میں ''برکت'' ''ر'' کے سکون سے آیا ہے جب کہ یہ ''بَرَکت'' ہے اسی طرح درجات کا ''ر'' بھی ساکن ہے جب کہ یہ بالفتح لکھا جاتا ہے یعنی ''دَرَجات''۔

عرض ہے کہ احقر نے معتبر کتب میں پڑھا ہے کہ برکت، عظمت، شفقت، درجہ، صدقہ اصلاً بَرَکَۃ، عَظَمَۃ، شَفَقَۃ، دَرَجَۃ، صَدَقَۃ بتحریکات ثلٰثہ ہیں فارسی اور اردو میں حرف ثانی کے سکون سے بھی بین الفصحا شائع وذائع ہیں خود آپ نے بھی برکت کا استعمال حرف دوم کے سکون سے کیا ہے۔

سب ہے اُن کے زلف پسینے کی برکت
سنبل میں بل پھول میں نکہت کس کی ہے

(صلوا علیہ وآلہ، ص:15)

نیز ارشاد گرامی: ''اسی طرح درجات کا ''ر'' بھی ساکن ہے'' کیا ''ر'' مذکر ہے؟

نیز ارشاد گرامی: ''جب کہ یہ بالفتح لکھا جاتا ہے یعنی ''دَرَجات''

کسی لفظ کے اعراب کو ظاہر کرنے کے لیے جب ''بالفتح'' کہا جاتا ہے تو اس کے صریح معنی یہ ہوتے ہیں کہ حرف اول مفتوح اور حرف دوم ساکن ہے اس لیے یہاں ''بالفتح لکھا جاتا ہے یعنی ''دَرَجات'' بے جوڑ ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا عظمت اور صدقہ بھی اصلاً بتحریکات ثلاثہ ہیں لیکن یہاں آپ معترض نہیں ہوئے شاید اس لیے کہ یہ الفاظ آپ کے اشعار میں بالفتح یعنی حرف اول کے فتحہ اور حرف دوم کے سکون سے استعمال ہوئے ہیں مثلاً۔

اے حبیب خدا آفتاب ہدیٰ
رحمتِ کبریا عظمتِ انبیا
صدقہ ملتا نہ گیسوؤں کا اگر
رات اتنی جواں نہیں ہوتی

اسی قبیل کا ''شفقت'' بھی ہے جو بالفتح نظم ہوا ہے۔

رحمتیں سب کے لیے عام ہواؤں کی طرح
دستِ شفقت سبھی ذی روح کے سر پر رکھا

مگر صحیح یہ ہے کہ یہ سارے الفاظ فارسی اور اردو میں حرف اول کے فتحہ اور حرف دوم کے سکون سے رائج و فصیح ہیں۔

خاور

اثر صدیقی:

سویا ہے مہتاب تبسم چپ چپ ہے شہزاد ترنم
سانسوں کے تالاب کے اندر لفظ کا خاور ڈوب گیا

ارشاد گرامی: ''یہاں بھی شاعر نے ''خاور'' کو سورج کے معنی میں استعمال کیا ہے جب کہ خاور کا مطلب ہے ''مشرق''۔

عرض ہے کہ خاور مشرق اور خورشید دونوں معانی میں رائج و فصیح ہے، سند میں آپ ہی کا شعر پیش ہے۔

فضا میں شور ہے محبوب داور آنے والا ہے
ستارے جگمگا اٹھے ہیں خاور آنے والا ہے

شب کی جمع

شبیر آصف:

ابھی برجِ سفر میں ہے ستارہ
شبیں تاریک ہیں اور دن کڑے ہیں

ارشادگرامی: ''شب کی جمع ''شبیں'' پتہ نہیں شبیر نے زبان کے کس قاعدے سے بنائی ہے۔''

عرض ہے کہ اگر شب کی جمع ''شبوں'' آ سکتی ہے اور کوئی قاعدہ مانع نہیں تو ''شبیں'' کیوں نہیں؟ صرف نحوی اعتبار سے حالت ہی کا تو فرق ہے، آپ نے شب کی جمع اسی قاعدے سے تو بنائی ہے۔

اندھیروں سے شعاعیں کھینچ لیں گے
شبوں کی مرثیہ خوانی تو جائے

امام احمد رضا نے شب کی جمع شبیں استعمال کی ہے وہ بھی کمالِ بلاغت کے ساتھ۔

رومی غلام دن حبشی باندیاں شبیں
گنتی کنیز زادوں میں شام و سحر کی ہے

کلمہ

بیساکھی پہ اس ملک کی سرکار کھڑی ہے
کلمے کے سہارے پہ یہ دیوار کھڑی ہے

ارشادگرامی: ''اصل املا و تلفظ ''کَلِمَہ'' ہے یہاں ''ل'' ساکن نظم ہوا ہے''۔

فکر پاروی (ڈاکٹر سید تاجدار حسین زیدی)

کوثر کلمۂ حق سے جو یہ دل پاک ہوا
دل میں تب جاکے ہوئی تیری محبت پیدا

ارشادگرامی: ''کلمہ'' میں ''ل'' بالکسر ہے آپ نے اسے ساکن کر دیا ہے۔''

فکر پاروی:

جو لب پہ محمد ترا کلمہ نہیں رکھتا
دنیا میں وہ سرمایۂ عقبیٰ نہیں رکھتا

ارشادگرامی: ''یہاں بھی کلمہ استعمال ہوا ہے''۔

عرض ہے کہ اصلاً ''کلمہ'' ''ل'' کے کسرہ سے ہے لیکن فارسی اور اردو میں ''ل'' کے سکون سے بھی شائع وذائع ہے، سند میں آپ ہی کا شعر پیش ہے۔

وہ جس کے نام کا کلمہ پڑھیں گے راہ کے پتھر
شجر دوڑے ہوئے آئیں گے جس کے اک اشارے پر

کبریا

اثر صدیقی:

مرا سلام ہے محبوب کبریا کے لیے
مرا قصیدہ خدائی کے راز دار کا ہے

ارشادگرامی: ''کبریا کا مطلب ہے عظمت بزرگی، بڑائی اور علما نے اس لفظ کو اللہ کے معنی میں استعمال کرنے سے روکا ہے''۔

عرض ہے کہ ''کبریا'' اللہ کے معنی میں آپ نے بھی استعمال کیا ہے۔

اے حبیب خدا آفتاب ہدیٰ
رحمت کبریا عظمت انبیا

میرے علم کے مطابق باری تعالیٰ کے لیے کبریا کا لفظ بین الفصحا عام ہے بروقت دو شعر یاد آ گئے:

روشن زرویت دو جہاں عکس رُخت خورشید و ماہ
اے نور ذات کبریا رخشاں توئی رخشاں توئی

(جامی علیہ الرحمہ)

نہ غیر کبریا جان آفرینے
نہ خود مثل تو جاناں آفریدند

(امام احمد رضا)

محبتیں

شبیر آصف:

یہ میری بیاض شعر دیکھو
دیکھو یہ مری محبتیں ہیں

ارشادگرامی: ’’محبت کو پتہ نہیں کیوں جدید شعرا ’’محبتیں‘‘ لکھنے لگے ہیں‘‘۔
عرض ہے کہ جدید شعرا پر طعن کیوں؟ آپ نے بھی تو یہ ارتکاب کیا ہے (اگر یہ غلط ہے)

(الف)

تمنا بے لباس ہے محبتوں کی پیاس ہے
ہر اک نظر اداس ہے ہر ایک دل میں داغ ہے

بلکہ اس میں تقابل ردیفین بھی ہے جو آپ کے نزدیک عیوب شعری سے ہے۔

(ب)

جہاں کہیں بھی ہوں تنکوں میں قید رہتے ہیں
محبتیں ہیں بہت جن کو آشیانے سے

عربی-ہندی/فارسی-ہندی ترکیب

اثر صدیقی:

مہرباں انسانیت پر کس قدر ہے آسماں
بخشش ماں سے مجھے قدرت بھی ماں جیسی ملی

ارشادگرامی: ’’بخشش ماں‘‘ کی ترکیب بھی غلط ہے، بخشش فارسی اور ماں ہندی لفظ ہے

ان کو ترکیب دینا جائز نہیں''۔

اثر صدیقی:

تو وسعت بحر و ارض و سما تو شوکت انجم و مہر و ماہ
تو رقص لہو تو رونق دل تو تاب نظر تو نور نگاہ

ارشاد گرامی: ''رقص لہو'' کی ترکیب غلط ہے۔ رقص عربی اور لہو ہندی الفاظ ہیں ان میں ترکیب ناجائز ہے''۔

فکر پاروی:

تیرے قدموں کے تلے نہر بھی آئی لیکن
دامن پیاس پہ پانی کا نہ چھینٹا دیکھا
دامن پیاس پہ اکبر نے ادا کی جو نماز
دور تک سجدوں کے منظر پس منظر نکلے

ارشاد گرامی: ''دونوں اشعار میں ''دامن پیاس'' کی ترکیب استعمال ہوئی ہے جو غلط ہے، دامن فارسی اور پیاس ہندی ہے۔ عربی - ہندی یا فارسی - ہندی الفاظ میں ترکیب جائز نہیں ہے۔

عرض ہے کہ احقر نے بھی فن کی کتابوں میں یہی پڑھا ہے اور اسی پر عمل ہے۔ آپ کے نزدیک یہ ترکیب غلط ہے مگر آپ کے اشعار اس کی تغلیط کرتے ہیں مثلاً

یقیں ہے اس نے مدینہ کبھی نہیں دیکھا
جو کہہ رہا ہے کہ دشتِ ببول ہے دنیا
یہ یاد رکھنا نبی کی محفل حرم ہے جبریل وقدسیوں کا
بہت سلیقے سے پاؤں رکھنا جبیں جھکانا سلام کہنا

دشتِ ببول میں فارسی اور ہندی کی ترکیب ہے اور ''جبریل وقدسیوں'' میں قدسی کی جمع بقاعدہ اردو ہے، اب یہ ترکیب نہ عربی - عربی کی رہی، نہ عربی - فارسی کی، نہ اس میں ''و'' عاطفہ کا جواز۔

یوں ہی ایک جگہ آپ نے لکھا ہے: نیز قریب المرگ انسان کو کلمہ پڑھایا جاتا ہے''

(ص:97، یاران نکتہ داں)

یہاں ''ال'' کے ساتھ عربی-فارسی کی ترکیب بھی جائز نہیں۔

اعلان ''ن''

فکر پاروی:

اے فکر گفت گلشن دنیا و دین میں
سب کچھ ہمیں ملا ہے درِ بوتراب سے

ارشادگرامی:...علاوہ ازیں کسی ترکیب کا آخری حرف اگر ''ن'' ہے تو اسے ہمیشہ غنہ استعمال کیا جاتا ہے، دنیاودیں۔

عرض ہے کہ احقر نے بھی قواعد کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ لفظ کا آخری حرف اگر ''ن'' ہے اور یہ تثنیہ کا یا اسماے اعلام کا نہیں ہے تو اسے غنہ سے پڑھا جائے جیسے جسم وجاں، آہ وفغاں وغیرہ لیکن آپ کے کلام میں اس کا لحاظ نہیں ہے، مثلاً

(الف)

دے جبرئیل کا پر چشم حور کا کاجل
خدایا! مدح شہ دو جہان لکھتا ہوں

(ب)

انجم سوائے سرور کون و مکان کے
ہم عاصیوں کا حشر میں آدھار کون ہے

یہ قاعدہ صرف ترکیب عطفی کے لیے نہیں ہے ترکیب اضافی کے لیے بھی ہے، آپ کے استادمکرم ادیب الملک کا ایک شعر یوں چھپا ہوا ہے:

عشق کا دل غم عشق سے خون ہے
کتنا دل چسپ و رنگین مضمون ہے

(ماہنامہ اسباق پونہ ادیب نمبر ص:140)

اللہ بولتا ہے

شبیر آصف:

حق جلوہ گر ہے طرز بیان رسول سے
اللہ بولتا ہے زبان رسول سے

ارشادگرامی: ''نادانستگی میں آصف حلولی فرقہ کی ترجمانی کر بیٹھا ہے جس کا عقیدہ تھا، اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں حلول کر گیا ہے اور وہ خود اپنے رسول کی زبان سے گفتگو کرتا ہے۔ اللہ نے کبھی براہ راست حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان سے کلام نہیں کیا ہے بلکہ اس کا ذریعہ وحی تھی اور وہ بھی حضرت جبریل کے توسط سے آپ تک پہنچی تھی''۔

عرض ہے کہ آصف نے تو نادانستگی میں حلولی فرقہ کی ترجمانی کر ڈالی۔ اللہ درگزر فرمائے، مگر آپ نے تو دیدہ ودانستہ قرآن کو شاہد بنا کر حلولی فرقہ کی ترجمانی کر دی ہے۔

ہے دعویٰ مرا جس کا شاہد ہے قرآں
نبی کی زباں سے خدا بولتا ہے

(صلّوا علیہ وآلہ، ص: (78)

تقابل ردیفین

شبیر آصف:

اک عمر انتظار سحر میں گزر گئی
لیکن یہ غم کی رات گزرتی نہیں کبھی

ارشادگرامی: ''کبھی'' حشو ہے اس کے بغیر ہی شعر کے معنی درست ہوں گے، تقابل ردیفین کا عیب بھی موجود ہے''۔

عرض ہے کہ مجھے اس شعر میں ''تقابل ردیفین مطلق'' کا عیب نظر نہیں آیا، البتہ آپ کی نظروں سے دیکھوں تو آپ کے درج ذیل شعروں میں تقابل ردیفین ہے جو آپ کے نزدیک عیب ہے۔

کہیں پہ سرسوں چمک رہی ہے کہیں پہ لالہ دمک رہا ہے
کہیں چمیلی مہک رہی ہے کہیں پہ نرگس لجا رہی ہے

تمنا بے لباس ہے محبتوں کی پیاس ہے
ہراک نظر اداس ہے، ہر ایک دل میں داغ ہے

آنکھوں سے جو ٹپک گئے آنسو وہ بجھ گئے
اندر اتر گئے ہیں جو مہتاب ہو گئے
خود کو انجم فرشتہ کہتا ہے
شکل و صورت تو آدمی سی ہے

آں جناب کے استاد محترم حضرت ادیب مالیگانوی کے یہاں بھی یہ عیب پایا جاتا ہے (اگر آپ کی نظر سے دیکھوں)

شب مہتاب میں شاید کوئی چاند اور نکلا ہے
حریم دل میں جس کی روشنی معلوم ہوتی ہے
(تبسم)

چُھپتے ہوئے سورج کی ضو ہے اکھڑی ہوئی سانسوں کی رَو ہے
یہ دور بلا انگیز کہ ساقی دور بدلنے والا ہے
(تبسم)

میرا اپنا خیال ہے کہ فارسی اور اردو کے مستند شعرا کے دواوین میں "است، اند، ہے، اور ہیں، کی حد تک تقابل ردیفین کے سیکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں اشعار پائے جاتے ہیں۔ یہ نہ کہا جائے کہ "عیب تو عیب ہے" بلکہ یہ سمجھا جائے کہ اس حد تک تقابل ردیفین روا ہے۔

البتہ تقابل ردیفین کی یہ صورت جائز نہیں ہوسکتی۔

جا بھی اے دیدۂ تر تجھ میں حیا کچھ بھی نہیں
ہم تو سمجھے تھے بہت کچھ ہے مگر کچھ بھی نہیں

یہ محض تفہیم کے لیے ہے ورنہ شعر یوں ہے:

جا بھی اے جذبۂ دل تجھ میں اثر کچھ بھی نہیں
ہم نے سمجھا تھا بہت کچھ ہے مگر کچھ بھی نہیں

غالب کے شعر میں (یار- دیوار) کے تقابل کو آپ نے ''تقابل ردیفین'' میں شمار کر کے اسے معیوب قرار دیا ہے۔آپ کو اپنا شعر یاد نہیں رہا:

سورج سفر میں ہو تو مرے یار دیکھنا
سائے کو اپنے کھاتی ہے دیوار دیکھنا

ایطائے جلی

فکر پاروی:

گردنِ شبیر پر جس دم رواں شمشیر تھی
شور تھا ماتم کا برپا مضطرب ہمشیر تھی

ارشادگرامی: ''مطلع میں ایطائے جلی ہے۔''

عرض ہے کہ ''ایطائے جلی'' فن شاعری کا ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے اہل فن نے اس کی علاحدہ علاحدہ تشریحات کی ہیں۔ذیل میں چنداساطین سخن کے اشعار درج کر رہا ہوں اگر ان میں بھی ایطا ہے تو فکر پاروی یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

مطلع۔

می کند پہلو تہی از بینوایاں آسماں
در بغل ہرگز نگیرد تیر بے پر را کماں

قوافی دہاں، جہاں،عیاں وغیرہ

مطلع۔

بود محتاجِ دوا سینۂ افگار قفس
شد پر طوطیِ ما مرہم زنگار قفس

قوافی دیوار، دیدار، آزار، وغیرہ

مطلع۔

برغمزدگاں اہل جہاں می خندند
از جوش فرح بصد دہاں می خندند
قافیہ دیگراں

مطلع۔

کسی بےکس کو اے بیداد گر مارا تو کیا مارا
جو خود ہی مر رہا ہے اس کو گر مارا تو کیا مارا
قوافی سر، نر وغیرہ

مطلع۔

انبیا کو بھی اجل آنی ہے
مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
قوافی جسمانی، ثانی وغیرہ

حرف ندا ''اے'' سے خطاب

اثر صدیقی:

اے مزمل اے مدثر اے مرے خیر البشر

ارشاد گرامی: ''مزمل اور مدثر دونوں کا املا غلط ہے ''ز'' اور ''م'' دونوں مشدد ہیں (چند سطور کے بعد) اثر صدیقی صاحب نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''اے سے مخاطب کیا ہے مثلاً اے ''مزمل'' اے ''مدثر'' اے مرے ''خیر الوریٰ'' اے ''بہار خاکدان'' اے مرے ''خلق مجسم'' اے ''نشاط کائنات'' وغیرہ۔ ناچیز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے حرف ندا ''اے'' کے استعمال کی شدت سے مخالفت کرتا ہے۔ (تقدیس کا فنی ولسانی تجزیہ)

عرض: میں حیران ہوں، آیا میں آپ کی مذکورہ بالا عبارت کا مطلب نہیں سمجھ سکا یا آپ کا مفہوم مراد وہی ہے جو میری حیرانی کا باعث ہے کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو

''اے'' سے ندا کرنے یا مخاطب کرنے کے تو صلّوا علیہ و آلہ کے صرف دو صفحات میں متعدد اشعار موجود ہیں۔ اے شہِ مرسلان، ص: 101۔ اے ''امام رسل'' ص 101، اے شفیع امم ص: 101، اے حبیب خدا، ص: 101، اے شجیع وسخی، ص: 102، اے شہِ بحر و بر، ص: 102۔

اُمّتِ شافع محشر

شبیر آصف:

امتِ شافع محشر میں ہوں
مجھ کو امید شفاعت ہے بہت

ارشاد گرامی: ''اکثر نعت گو شعرا شفاعت کے لیے اتنا ہی کافی سمجھتے ہیں کہ وہ ''امت شافع محشر میں ہیں''۔ پتہ نہیں یہ خناس کیسے ان کے دماغوں میں گھس گیا ہے۔ میدان حشر میں اعمال کی پرسش ہوگی۔ اگر اعمال کی کسوٹی پر کھرے اتریں گے تو جنت کا مژدہ ملے گا۔ گناہ صغیرہ کبیرہ نہ ہوں، کچھ معمولی لغزشیں گرفت میں آئیں تو پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سفارش کام آئے گی۔ شفاعتِ رسول گناہگاروں اور خاطیوں کے لیے نہیں ہے۔''

عرض ہے کہ شاعر نے جس حسنِ عقیدت کے ساتھ شعر کہا ہے اور خود کو امت اجابت میں شمار کرتے ہوئے حضور شافع یوم النشور سے شفاعت کی امید کر رکھی ہے اس سے آپ کی مذکورہ عبارت میل نہیں کھاتی، اگر یہ تقریر افادۂ عام کے لیے ہے تو بھی مذہب اہلِ سنت کے عقیدہ کے برخلاف ہے ہمارا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، شفیع المذنبین ہیں بروز حشر اپنے گناہ گار امتیوں کی شفاعت فرمائیں گے۔ یہ حدیث مبارک صحیح سند کے ساتھ کتب احادیث میں ہے: شَفَاعَتِیْ لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِی۔

آپ سلسلۂ مجددیہ چشتیہ میں بیعت ہیں آپ کو خواجۂ خواجگاں حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ شعر یاد نہیں؟

یا رسول اللہ شفاعت از تو می دارم امید
باوجود صد ہزاراں جرم در روز حساب

محترم انجم صاحب! آپ کو اپنا شعر بھی یاد نہ رہا:

انجم سوائے سرور کون و مکان کے
ہم عاصیوں کا حشر میں آدھار کون ہے

آپ سنجیدگی سے غور فرمائیں شبیر آصف نے کیا غلط کہا اور اسی شعر کا سہارا لے کر آپ نے ''خناس'' جیسے انتہائی غلیظ لفظ کا استعمال کیا، آپ اپنا جملہ (یہ خناس کیسے ان کے دماغوں میں الیٰ آخرہ) یاد کیجیے اور خواجہ غریب نواز کا شعر پڑھیے۔

اختیار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ساغر صدیقی:

ہر شئ ہے اختیار محمد میں دوستو
دامن ہزار شوق سے پھیلائے آرزو

ارشادِ گرامی: ''اگر ہر شئے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیار میں ہے تو پھر اللہ کے اختیار میں کیا ہے۔ نعوذ باللہ! اگر دونوں کے اختیار مساوی ہیں تو یہ شرک ہے۔

عرض ہے کہ شاعر نے فقط اتنا کہا ہے ''ہر شئ ہے اختیار محمد میں'' اس نے مساوی قرار نہیں دیا ہے، اور آپ نے اپنے شعر میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''مختار دو جہاں'' کہا ہے، غور کیجیے اسی اختیار سے تو مختار بنا ہے، شاعر نے ''ہر شئ'' کہا، آپ نے ''دو جہاں'' لکھا، کیا شے کا اطلاق دو جہاں سے پرے پر بھی ہوتا ہے؟ آپ کا شعر یہ ہے:

حضور کون و مکاں کے والی حضور مختار دو جہاں ہیں
ادب سے قدموں کا لے کے بوسہ سلام کرنا سلام کہنا

اسی کے ساتھ اپنا یہ شعر بھی پڑھ لیجیے

ترا احساں مجھے پیدا کیا ہے اس کی امت میں
ادب سے مانگنے والوں کو جو کون و مکاں دے دے

تو۔ تیرا

فکر پاروی:

یہ تری نبوت کی اک دلیل ہے ورنہ
پتھروں پہ قدموں کے کب نشاں نہیں ملتے

ارشاد گرامی: ”فکر صاحب! جب لوگ نبی اور ائمہ عظام کو ”تو۔ تیرا“ سے خطاب کرتے ہیں تو مجھے بڑا برا معلوم ہوتا ہے۔ ہماری تہذیب میں بزرگوں کو اس طرح مخاطب کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ ایک جاہل شخص بھی اپنے باپ دادا کو ”تو“ سے مخاطب نہیں کرتا تو پھر نبی اور ائمہ عظام کو ”تو۔ تیرا“ سے مخاطب کرنا کہاں تک درست ہے۔“

عرض۔ انجم صاحب! ہماری تہذیب میں اپنے باپ دادا کو ”تم۔ تمہارا“ سے مخاطب کرنا بھی خلاف ادب سمجھا جاتا ہے۔ ہم اپنے والد محترم کو یوں مخاطب نہیں کرتے۔ ”ابا تم کہاں جا رہے ہو۔ ابا تم کہاں سے آ رہے ہو۔“ پھر نبی محترم کو ”تم۔ تمہارا“ سے مخاطب کرنا کہاں تک درست ہے۔

ایمان کی کہیے، آپ قبر انور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے دست بستہ کھڑے ہیں۔ کیا یہ جملہ آپ کے واہمہ میں بھی آ سکتا ہے، یا رسول اللہ میں تمہارے در پر حاضر ہوں میرا اسلام قبول کرو؟ مگر آپ نے صلوا علیہ وآلہ میں ایک سلام میں ۲۸ / بار اور دوسرے سلام میں ۱۰ / بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تم سے مخاطب کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ نظم ونثر کے مزاج میں فرق ہے اور اس فرق کو آپ بخوبی سمجھتے ہیں۔ جس طرح نثر میں نبی اور ائمہ عظام کو ”تو۔ تیرا“ سے خطاب کرنا بے ادبی ہے ایسے ہی ”تم۔ تمہارا“ سے خطاب کرنا بھی بے ادبی ہے۔ اور نظم میں ان دونوں صورتوں پر فصحائے زبان اور شعرائے اسلام کا تعامل ہے۔

یہ اسی تعامل اور عرف کی دین ہے کہ ہم غیر خدا کو مَلِک الاملاک اور شہنشاہ کے معزز القاب سے یاد کرتے ہیں اور شرعی گرفت سے محفوظ رہتے ہیں جب کہ شارع علیہ السلام نے صاف صاف فرمایا ہے (عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال) ان اخنع اسم عند الله رجل تسمی مَلِكُ الاملاك لامالك الا الله، قال سفیان مثل شاهان شاه(ای شهنشاه)۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

سوالات

اب تک اُن عیوب کے تحت اظہار خیال کیا گیا ہے جو آپ نے دوسروں کے کلام میں ڈھونڈ نکالے ہیں اور وہ آپ کے کلام میں بھی بہ تمام وکمال موجود ہیں۔

ذیل میں کچھ سوالات ہیں جو آپ کی تحریروں کی روشنی میں سر ابھار رہے ہیں۔

سوال نمبر(۱):

اک پل میں دو جہان کے رستے سمٹ گئے
توسن ہے کیسا صاحب رہوار کون ہے

یہاں دو جہان سے آپ کی کیا مراد ہے، عام طور پر دو جہان کے معنی دنیا وٓ آخرت کے ہوتے ہیں، دو جہاں سے جانا یعنی دنیا اور آخرت کا برباد ہونا۔ مذکورہ بالا شعر واقعۂ معراج سے متعلق ہے۔

سوال نمبر(۲):

"موتی" کو فصحا مذکر استعمال کرتے ہیں ایسی صورت میں اس کی جمع "موتیاں" نہیں ہوسکتی آپ نے ہر شعر میں "موتیاں" استعمال کیا ہے جیسے۔

میرے حصے میں موتیاں دیدے
سیپ کی طرح چاہے پیاسا رکھ

میں اس کی دید کی خواہش میں رات بھر جاگوں
یہ موتیاں سی رگ گل میں جو پروتا ہے

مرے تن پر حریر و پرنیاں ہوں، ٹاٹ ہو، کچھ ہو
مگر دل کے صدف کو جگمگاتی موتیاں دیدے

سانسوں میں گونجتی ہوئی خوشبوئے گلشن جناں
دندان پاک کی چمک جیسے صدف میں موتیاں

اگر اساتذۂ فن نے موتی کو مؤنث استعمال کیا ہو یا کوئی قاعدہ راہ نما ہو تو مطلع فرمائیں۔

سوال نمبر (۳):

سورہ (سورۂ کوثر) کو فکر پاروی نے مذکر استعمال کیا تو آپ نے لکھا "اگر یہ کمپوزنگ کی غلطی نہیں ہے تو سورۂ کوثر اتری چاہیے" کیا سورہ مؤنث ہے؟

سوال نمبر (۴): فکر پاروی

ہو گئی سایہ فگن مجھ پہ دعائے زہرہ
جب بھی ذکر غم شبیر کی نیت کی ہے

ارشاد گرامی: "شعر میں کوئی خامی نہیں ہے لیکن اگر اس میں ذرا سی تبدیلی کر دیں تو بہت خوبصورت ہو جائے گا۔"

ہو گئی سایہ فگن مجھ پہ ردائے زہرہ
جب بھی مدح شہ دل گیر کی نیت کی ہے

آپ نے: زہرہ کو اپنی اصلاح میں بھی باقی رکھا ہے، زہراء حضرت فاطمہ کا لقب ہے اور فارسی و اردو میں حذف ہمزہ سے مستعمل ہے۔

سوال نمبر (۵):

فراز عرش سے میرے حضور کو ساغر
ملا یہ حکم کہ نعلین زیر پا آؤ

آپ لکھتے ہیں: "علمائے جمہور کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شب معراج نعلین سمیت آنے کو کہا گیا۔" اگر آپ کی تحقیق میں یہ روایت ضعیف ہے تو کیا مضائقہ ہے، جمہور کا اس امر پر بھی تو اتفاق ہے کہ باب فضائل میں ضعیف حدیثوں کا اعتبار کیا جائے گا۔ ویسے ناچیز کے علم کے مطابق، ھذا خبر لا اصل له عن النبی صلی اللہ علیه وسلم فیما

علمنا ولم نر احدا من اهل العلم ذكره في فضيلة المعراج۔

سوال نمبر (۶): صلو علیہ و آلہ ص: ۸۴

شمع، شعلہ، سورج، انجم کاہکشاں اور ماہ و اختر
سب سے روشن روئے منور صلی اللہ علیہ وسلم

شَمْع بروزن جمع حرف اول کے زبر اور حرف دوم کے سکون سے ہے جیسے۔

پھر نہیں دیکھا بجز اک شعلۂ پُر پیچ و تاب
شمع تک ہم نے تو دیکھا تھا کہ پروا نہ گیا

بعض نوسکھ اسے بفتحتین بروزن طَمَع استعمال کرتے ہیں جو صحیح نہیں ہے لیکن جس طرح آپ نے استعمال کیا ہے یہ میرے لیے باعث حیرانی ہے، یہ میری خام خیالی تو نہیں ہے۔ میری فہم ناقص میں مذکورہ بالا شعر کے مصرع اول میں شمع کو یا تو "م" مشدد پڑھ کر یا "شمعا" پڑھ کر اس کو موزوں کیا جا سکتا ہے جب کہ یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔

سوال نمبر (۷): فصیل بے چراغ ہے، ص۶۶:

(الف)

یاد نہیں ایسی بھی کوئی رات ہوئی
درد تھا نہ آنکھوں سے برسات ہوئی

اور صفحہ ۸۶ پر:

(ب)

خوشی ہو سامنے محسوس نہ ہو
اداسی خود پہ یوں طاری نہ کرنا

پہلے شعر کے دوسرے مصرع میں اور دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں "نہ" کا استعمال ایک سبب خفیف کے برابر ہوا ہے جب کہ "نہ" کی "ہ" صرف اظہار حرکت ماقبل کے لیے ہوتی ہے، یعنی تقطیع میں محسوب نہیں ہوتی، یہاں محسوب ہے۔

سوال نمبر (۸): فصیل بے چراغ ہے ص: ۴۳

میری بستی جانے کس آشوب میں ہے
دل صحرا آنکھیں ہیں سیلاب سبھی

میں دوسرے مصرع کو پہلے مصرع کے مطابق ہزار کوششوں کے باوجود موزوں نہ پڑھ سکا۔ دوسرے مصرع میں کون سا زحاف روا رکھا گیا ہے جو اسے بحر سے خارج نہیں کرتا؟

سوال نمبر (۹): ڈاکٹر راحت اندوری

میں تجھ کو روشنیاں دے کے جاؤں گا اک دن
اندھیری رات سمجھ کر گزار دے مجھ کو

ارشادِ گرامی: "روشنیاں" "ش" ساکن کے ساتھ استعمال ہوا ہے جب کہ یہ "روشَن" سے "روشَنیاں" ہوگا"، مگر میری تقطیع کے مطابق تو یہ "ش" مفتوح کے ساتھ راست ہے آپ نے شعر کا کیا وزن مقرر کیا ہے، میں نے درج ذیل وزن کے مطابق اسے صحیح پایا ہے۔ مفاعِلن فعلاتن مفاعِلن فعلن/مخبون۔ محذوف۔ اور "روشنیاں" کے "ش" کے فتحہ کو متحرک کے مقابل پایا ہے۔

سوال نمبر (۱۰):

یا نبی دہنِ مبارک کے مقدس الفاظ
نیک و بد جن میں تُلیں ایسے ترازو دیدے

دَہن کو ہم نے "د" اور "ہ" کے زبر سے پڑھا ہے، مستند شعرا کے کلام سے یہی ظاہر ہے لیکن اس شعر میں عرف ولغت کے خلاف بالفتح یعنی حرف اول کے زبر اور حرف ثانی کے سکون سے استعمال ہوا ہے، کیا بالفتح بھی صحیح ہے؟

سوال نمبر (۱۱):

تمام فرقے ہیں مُتوازی راستوں پہ رواں
اب ان خطوط کا ملنا ذرا محال سا ہے

مصرع اول میں "متوازی" کی "ت" ساکن نظم ہوئی ہے، جب کہ باب تفاعل کے اسم فاعل کا حرف ثانی ہمیشہ متحرک ہوتا ہے اس کا حرکت برکت پر قیاس جائز نہیں۔ مصرع کو موزوں پڑھنے کی کیا صورت ہوگی؟

سوال نمبر (۱۲):

جناب آمنہ کا گھر ہے یا جنت کا گلدستہ
ہیں استقبال کو سارے پیمبر در پہ صف بستہ

کھڑے ہیں حور و غلماں، نور سے معمور ہے رستہ
اترتی آ رہی ہے صبح نو آہستہ آہستہ

کیا آہستہ، گلدستہ، بستہ ہم قافیہ ہو سکتے ہیں؟ اور کیا احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر آپ کے استقبال کے لیے جملہ انبیاے کرام صف بستہ کھڑے تھے، آپ کی یہ نعت "آمد خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان سے صلوا علیہ وآلہ میں چھپی ہے جو ولادت سرکار کے مضمون پر مشتمل ہے۔

سوال نمبر (۱۳): ڈاکٹر راحت اندوری:

سلگتے چیختے موسم کی واپسی ہوگی
نئی رتوں میں نئے غم کی واپسی ہوگی

آپ فرماتے ہیں: "لفظ "واپس" ہے اس سے "واپسی" بنے گا واپسی نہیں" آپ کا صریحاً مطلب یہ ہے کہ شاعر نے واپسی کی "پ" ساکن نظم کی ہے، حالاں کہ میرے خیال میں مصرع "پ" کے زبر ہی سے موزوں ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

سوال نمبر ۱۴:

جلووں کی خدارا بھیک ملے حسنین کا صدقہ زہرہ کا
سائل ہے در اقدس پہ کھڑا اے سرور عالم صلی علیٰ

مصرع اول میں "حسنین" جو کہ تثنیہ کا صیغہ ہے جس سے مراد حضرت حسن اور حضرت حسین ہیں اس کا "س" مفتوح ہے، یہاں ساکن نظم ہوا ہے، فصحائے اردو اس کو "ثقلین" کے وزن پر نظم کرتے ہیں، جہاں حسنین کا "س" ساکن ہوتا نظر آتا ہے وہاں "سبطین" نظم کرتے ہیں۔ آپ کے پاس "س" کے اسکان کا کیا جواز ہے؟ نیز "زہرہ" کیا ہے؟ اگر یہ خاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں تو صحیح "زہراء" ہے جو ازہر کا مؤنث ہے جسے فارسیوں نے حذف ہمزہ سے استعمال کیا ہے یہی اردو میں بھی رائج ہے۔

لفظ "زہرہ" "یاران نکتہ داں کے لیے" میں ص: ۱۳۴ پر بھی ہے آپ نے فکر پاروی کے ایک شعر کو "بہت خوبصورت" بنانے کے لیے اس میں تبدیلی کی ہے۔

تبدیل شدہ شعر یہ ہے:

ہو گئی سایہ فگن مجھ پہ ردائے زہرہ
جب بھی مدح شہ دلگیر کی نیت کی ہے

یہاں بھی "زہرہ" بجائے "زہرا" ہے، اگر اس کے جواز کی کوئی صورت ہو تو شادکام فرمائیں۔

سوال نمبر (۱۵):

فصیل بے چراغ ہے، میں ص: ۱۰۸ پر چھ اشعار پر مشتمل ایک غزل ہے جس کے قوافی ہیں گُذرے، اُترے، اُبھرے، سُدھرے، اس غزل میں یہ شعر ہے:

اگر ہے آنکھ تو خوشبو کے اشک دیکھو گے
چمن میں جب کوئی تازہ گلاب بکھرے گا

کیا مذکورہ قوافی کے ساتھ "بکھرے" قافیہ کیا جا سکتا ہے؟

سوال نمبر (۱۶):

جُہَلَاء عُلَمَاء کا حرف دوم مفتوح ہے جیسے شُعَرَاء وغیرہ فارسی اور اردو میں بغیر ہمزہ رائج و فصیح ہے۔ فصحا نے حرف دوم کے فتحہ کو برقرار رکھا ہے لیکن آپ کے درج ذیل شعروں میں حرکت سکون سے بدل گئی ہے۔

عمل سے کورے ہیں علم والے، ہیں سربراہوں میں سارے جُہلا
ہیں درس گاہوں میں قید عُلما ہے دیں سیاست کا اک کھلونا
بھلا کے سب روح کے تقاضے بدن کو عُلما سجا رہے ہیں
نمازیں اجرت پہ ہو رہی ہیں امام روزی کما رہے ہیں

مستند لغات یا فصحا کے کلام سے سند مطلوب ہے۔

سوال نمبر (۱۷):

فکر پاروی کے ایک شعر میں ترمیم کرتے ہوئے ارشاد ہے "مصرع یوں ہوتا تو:

یہاں آتے حسین ابن علی، اہل ہنود ان کے
قدم کو چوم کر کہتے ہمارے دیوتا آئے"

یہ اہل ہنود کیا ہے؟ فصحا کے کلام میں "ہنود" دیکھا گیا ہے۔

سوال نمبر (۱۸):

واو عاطفہ جس میں "وَ" ظاہر ہو اور تقطیع میں محسوب ہو، اسے آپ فصیح سمجھتے ہیں یا نامستحسن یا معیوب جیسے:

(الف)

کبھی خوشبو کبھی شعلہ وَ شبنم
اسے ہیئت بدلنے کا ہنر ہے

فصیل بے چراغ ہے ص:۱۷

(ب)

روز سیہ وَ فاقہ کشی میں یہ کم نہیں
بندے کو اپنے رزقِ گدائی نہیں دیا

فصیل ص:۹۸

سوال نمبر (۱۹):

غالب کے درج ذیل شعر:

نفس قیس کہ ہے چشم و چراغ صحرا
گر نہیں شمع سیہ خانۂ لیلی نہ سہی

کے بارے میں ارشاد ہے:

"قیس کی محبوبہ کا نام "لیلیٰ" تھا لیلی نہیں" غالب کے تعلق سے یہ گمان کہ اسے قیس کی محبوبہ کا صحیح نام تک معلوم نہیں تھا یہ بڑی جسارت ہے۔ آپ نے ۲۵/ برسوں تک بی۔اے۔، ایم۔اے۔ کے طلبہ کو پڑھایا ہے صدر شعبۂ اردو، فارسی رہے ہیں۔ آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ لیلیٰ، افعیٰ، حُدیٰ، عیسیٰ، موسیٰ کو اہل فارس نے امالہ کر کے لیلیِ، افعیِ، حُدیِ، عیسیِ، موسیِ بھی تلفظ کیا ہے گویا یہ ان عربی الفاظ کی مفرس شکل ہے اسی لیے ان کی ترکیبی شکل لیلیِ شب، افعیِ پُر زہر، حُدیِ خوانی، عیسیِ دوراں، موسیِ عمراں قرار پائی، آپ اس کو عیسئ دوراں، موسئ عمراں، پڑھتے ہیں یہ فصحا کی زبان نہیں ہے۔ اسی شعر میں غالب نے صحرا بغیر ہمزہ استعمال کیا ہے یہ بھی

فارسیوں کا تصرف ہے ورنہ عربی میں صحراء ہے۔

مختصر یہ کہ فصحائے زبان کے تعامل اور عرف کے سامنے نہ لغت کا سکّہ چلتا ہے نہ قواعد کا۔ گزارش اور نوازش کی جمع گزارشات، نوازشات کے لیے کون سا قاعدہ ہے، تمنی جو کہ خالص عربی لفظ ہے اس کو تمنا کیوں پڑھا جاتا ہے؟ لازماً ماننا پڑے گا کہ یہ تصرفات اہل زبان کے ہیں، تاہم اس باب میں آپ کا عندیہ جاننا چاہوں گا۔ آپ نے اپنی تحریروں میں "معنیٰ" استعمال کیا ہے، مجھے امید ہے کہ اسے آپ نے "یعنیٰ" کے وزن پر استعمال کیا ہوگا اگر یہ صحیح ہے تو کیوں کر صحیح ہے عربی کا لفظ تو "معنیً" ہے، بلکہ فصحائے زبان نے یہاں ایک اور تصرف کیا ہے وہ یہ کہ اسے بصورت جمع استعمال کیا ہے جب کہ اصلاً یہ واحد ہے۔

سوال نمبر (۲۰): ڈاکٹر راحت اندوری:

کس کا نعرہ کیسا. قَول اللہ بول
ابھی بدلتا ہے ماحول اللہ بول

ارشاد گرامی: "مطلع میں قول اور ماحول قوافی ہیں اور بقیہ اشعار میں ڈول، بول، تول وغیرہ جو درست نہیں ہیں کیوں کہ یہ مطلع کے قوافی سے مطابقت نہیں رکھتے۔"

میں یہاں آپ کا موقف جاننا چاہتا ہوں کہ اگر مطلع میں قَول اور بُول قوافی ہوتے تو مطلع درست ہوتا؟ اور اب ڈول، انمول، کشکول قوافی کا استعمال جائز ہوتا؟ مثلاً آپ کے استاد محترم، ادیب الملک حضرت ادیب مالیگانوی کے ان دو مطلعوں میں:

اک باب تجلی کا نیا کھول دیا ہے
جس غم نے چمکتا ہوا ماحول دیا ہے

پندار کے لبوں پہ بڑے بُول رہ گئے
پامال ہو کے کتنے ابو الہَول رہ گئے

مطبوعہ "اسباق" پونہ ادیب نمبر، ص: ۱۳۷

سوال نمبر (۲۱):

شہر کی ساری الف لیلائیں بوڑھی ہو چکیں
شاہزادے کو کوئی تازہ کہانی چاہیے

ارشادگرامی:

"اِلف لیلیٰ" نہیں "اَلف لیلیٰ" ہے یعنی ہزارراتیں۔

ہم نے عربی قواعد کی کتابوں میں ہزارراتوں کے لیے اَلف لیلۃ پڑھا ہے نہ لیلیٰ نہ لیالی۔ ایک کتاب کا نام بھی اَلف لَیلۃ وَ لَیلۃ ہے اَلف لیلیٰ" کی صحت کے لیے نظیر مطلوب ہے۔

سوال نمبر(۲۲): غالب

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا

ارشادگرامی: "شعر میں غرابت زبان کا نقص ہے۔ زندگی کے ساتھ مرگ کا استعمال غیر فصیح ہے۔ فصاحت زندگی وموت، مرگ وزیست میں ہے"

یہ عبارت پڑھتے ہی مجھے آپ کی پچھلی تحریر یاد آ گئی جس میں آپ سے کسی نے کہا تھا کہ "صاحب غالب پر کچھ لکھیں تو جانیں" یہ ایک طرح کا چیلنج تھا جسے قبول کرتے ہوئے آپ نے فرمایا "کیا حرج ہے یہ بھی ہو جائے" پھر آپ شروع ہو گئے اور ایسا کہ یاس یگانہ چنگیزی کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔

میں سخت حیران ہوں۔ خداوندان سخن جو آپ کی ناقدانہ صلاحیتوں کے معترف ہیں وہ آپ کی اس تحریر کو پڑھ کر اپنی خوش فہمیوں اور خوش عقیدگیوں کا سامنا کیسے کریں گے؟

آپ گھر بیٹھے گوگل پر سرچ کیجیے جیسے ہی "مرگ ٹائپ کریں گے "زندگی" از خود اسکرین پر آ جائے گا نہ آئے تو "و" اضافہ کر دیجیے، مرگ وزندگی، زندگی ومرگ نام کی کتابیں ملاحظہ میں آئیں گی۔ کئی عبارات میں مرگ وزندگی کا تناظر نظر آئے گا اور یہ جملہ بھی دیدۂ سر سے دیکھیں گے۔

زندگی مرگ است ومرگ زندگی، پس درود برمرگ ومرگ برزندگی

سوال نمبر(۲۳):

آپ کے مجموعۂ کلام "فصیل بے چراغ ہے" اور "صلوا علیہ وآلہ" میں درج ذیل اشعار مجھے یکسر ناموزوں نظر آئے جو میرے لیے حیران کن ہیں۔

(الف) فصیل بے چراغ ہے ص: ۱۹

جہاں سے کھلتے ہیں دار و رسن کے دروازے
اس عدل گاہ میں اب کے بیان میرا ہے

عدل کا "ع" ساقط الوزن ہے۔

(ب) فصیل ص: ۵۱

جب ہارتا ہوں گناہوں کی بازیاں انجم
مری شکست پہ کوئی بدھائی دیتا ہے

ہار کی "ہ" ساقط الوزن ہے:

(ج) فصیل ص: ۸۸

سپاہ عدو! رات بھاری نہ ہو
چراغ ہو سکے تو کمانوں میں رکھ

چراغ کا "غ" ساقط الوزن ہے:

(د) صلوا علیہ وآلہ ص: ۲۹

سیہ زمینیں ہیں بے رنگ بارشیں پھر بھی
یہ رنگ برنگ شگوفے کہاں سے آتے ہیں

برنگ کی "ب" ساقط الوزن ہے۔

(ہ) صلوا علیہ ص: ۶۳

اس حیثیت سے، یہاں تک قبول ہے دنیا
مرے رسول کے قدموں کی دھول ہے دنیا

حیثیت کی "ح" ساقط الوزن ہے۔

(و) فصیل ص: ۱۰۱

کس طرح نبھے گی بھلا سنگ ریزوں سے انجم
اک ہم کو ہنر آتا ہے بس شیشہ گری کا

سنگ کا "گ" ساقط الوزن ہے۔

(ز) صلوا علیہ۔ ص:۷۵

سیاہ کملی کے سائے میں متقی ہی نہیں
ہم عاصیوں کا بھی وہ پاسبان کتنا ہے

عاصیوں کا "ع" ساقط الوزن ہے۔

حضرت ادیب مالیگانوی نے درج ذیل شعر میں عشق کے "ع" کو جس فنکاری کے ساتھ ساقط الوزن ہونے سے بچالیا ہے یہ اہل فن کا حصہ ہے۔

یہ بھی ہے کیا انقلاب اے مرے پروردگار
حسن کی سب ہار جیت عشق کی سب جیت ہار

شرر مصباحی مبارک پوری

۲۳ر فروری ۲۰۲۱ء

ایک علمی مصاحبہ

مجھے جماعت کے دو افراد سے برابر شکایت رہی، ایک ڈاکٹر شکیل احمد اعظمی سے اور دوسرے ڈاکٹر فضل الرحمن شرر مصباحی سے، یہ دونوں شخصیتیں الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے چند قابل فخر فرزندوں میں ہیں، دونوں بیک وقت شاعر ونثر نگار ہیں اور علمی وادبی حلقوں میں احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں، مگر افسوس کہ ان کی کم نویسی کی وجہ سے ملت کما حقہ استفادے سے محروم رہی لیکن باوجود اس کے جب بھی انہیں فرصت ملی اور انھوں نے کوئی تحریر لکھی، علمی حلقوں میں اسے پوری توجہ اور دلچسپی سے پڑھا گیا۔ محترم شرر مصباحی جو اس وقت ہمارے ممدوح ہیں، ان کے علمی وتنقیدی مضامین پر مشتمل کتاب ''محاسبے'' کا مطالعہ کیجیے تو ان کی اعلیٰ ذہانت، بیدار مغزی، تبحر علمی، نکتہ سنجی اور ادبی ذوق کا اندازہ ہوتا ہے۔ موصوف کا مزاج یہ ہے کہ یہ لکھتے نہیں اور جب لکھتے ہیں تو بڑی توجہ وتحقیق سے لکھتے ہیں، ہر جملہ بلکہ ہر ہر لفظ کو بڑے نپے تلے انداز میں استعمال کرتے ہیں، شعروادب ان کا خاص میدان ہے اور بلا مبالغہ ہندوستان میں عروض وقوافی کے موجودہ چند ماہرین میں ایک ہیں، ''امام نعت گویاں'' مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''حدائق بخشش'' کی تصحیح اور اس پر گراں قدر ''تقدیم'' آپ کا زبردست کارنامہ اور آپ کی عروض دانی پر روشن دلیل ہے۔ ہم موصوف سے اس گزارش کے ساتھ کہ وہ مستقبل میں اپنے علمی وتحقیقی کاموں سے ہم بے سوادوں کو ضرور مستفید فرمائیں، محدث بریلوی امام احمد رضا خاں قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فکر وفن کے اہم گوشوں اور دیگر مسائل پر موصوف سے لیا گیا ایک دلچسپ اور اہم انٹرویو نذر قارئین کرتے ہیں۔

خوشتر نورانی

سوال:- حدائق بخشش کے تعلق سے آپ کا ایک کارنامہ سامنے آیا ہے، تقدیم و تصحیح کا علمی دنیا میں کافی چرچا ہے، آپ اس کے تعلق سے کچھ بتائیں؟

جواب:- کوئی کارنامہ نہیں ہے محنت ضرور ہوئی، وقت کافی خرچ ہوا، حدائق بخشش کے بیسیوں نسخے حاصل کیے، ان میں کتابت کی غلطیاں تھیں، کہیں شعر بے معنی ہو گیا تھا، کہیں وزن سے خارج تھا اور کہیں شعر کا مفہوم صغائر و کبائر تک پہنچ گیا تھا، میں نے حسب توفیق اغلاط کتابت کو درست کیا ہے، پھر بھی دو ایک جگہ غلطی باقی رہ گئی ہے جسے آئندہ طباعت میں ان شاء اللہ تعالیٰ الحاج محمد نوری صاحب درست کرالیں گے۔ اس ضمن میں یہ عرض کرتا چلوں کہ حدائق میں ہر جگہ ''کرور'' رائے مہملہ سے لکھا گیا ہے، بعض علما مُصر ہیں کہ کروڑ ہونا چاہیے لیکن کرور اعلیٰ حضرت کی خطی تحریرات کی روشنی میں یہ لکھا گیا ہے، فسانہ آزاد وغیرہ میں رائے مہملہ سے ہے، اگرچہ از روئے لغت دونوں طرح رائج و فصیح ہے۔

سوال:- حدائق بخشش میں آپ کو کوئی ایسا شعر نظر آیا جس پر لسانی یا فنی نقطۂ نظر سے آپ کی نظر ٹھہر گئی ہو؟

جواب:- کئی برس پہلے بھساول کے ایک سمینار میں بریلی کے ایک جواں سال عالم دین مولانا صغیر اختر مصباحی نے میری توجہ درج ذیل دو شعروں کی طرف منعطف کرائی

لم یاتِ نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا
یا قا فلتی زیدی اجلک رحمے بر حسرت تشنہ لبک
مورا جیرا لرجے درک درک طیبہ سے ابھی نہ سنا جانا

پہلے شعر کے دوسرے مصرع کے بارے میں انہوں نے کہا کہ اعلیٰ حضرت نے اس پوری نظم میں جو التزام کر رکھا ہے وہ اس میں نہیں ہے، کیا وہ اس مصرع میں التزام کرنے پر قادر نہیں تھے؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس نعت میں جتنے مصاریع ہیں اگر ان کو دو ٹکڑے کر کے پہلے کو دوسرا اور دوسرے کو پہلا کر دیا جائے تو مصرع شکست کے بغیر موزوں رہے گا مثلاً:

من بیکس و طوفاں ہوش ربا

البحر علا والموج طغیٰ

چوں بہ طیبہ رسی عرضے بکنی

یا شمس نظرتِ الیٰ لیلی

یوں ہی سارے مصاریع لیکن ''جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا'' میں یہ التزام نہیں ہے، ایک ٹکڑا ''سر سو'' پر ختم ہوتا ہے دوسرا ٹکڑا ''ہے تجھ کو'' سے شروع ہوتا ہے۔ دوسرے شعر کے بارے میں انہوں نے کہا کہ میں اس کی تقطیع کرنے سے قاصر ہوں، ''درک درک'' جو کہ اصلاً بفتحتین ہے اس سے مصرع موزوں نہیں ہورہا ہے۔ موصوف نے جو کچھ کہا یہ از قسم استفسار تھا جس پر میں نے غور کیا اور اب تک غور کررہا ہوں۔

سوال: -ایک مصری ادیب نے حدائق بخشش کا عربی منظوم ترجمہ کیا ہے، کیا آپ کی نظر سے یہ ترجمہ گزرا ہے؟

جواب: -میں نے ہندو پاک کے کئی جرائد میں یہ خبر پڑھی تھی، بلکہ جیسا کہ ہمارا مزاج ہے تعریفوں کے پُل بھی باندھے گئے تھے، ممبئی کے بعض احباب کے ذریعے چند اوراق ملے میں دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا، اکثر اشعار کا مفہوم تو کجا صرف لگّا سے پانی پلایا گیا ہے، اس کی بڑی پہچان یہ ہے کہ آپ اُن اشعار کا دوبارہ ترجمہ کسی ایسے اردو داں سے کرائیے جو عربی زبان سے تو واقف ہو لیکن اس کی نظر سے حدائق بخشش نہ گزری ہو، پھر دیکھیے کیسے حقیقت عریاں ہوتی ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ اعلیٰ حضرت کے کلام میں جو چاشنی ہے، وارفتگی ہے، وہ عربی ترجمہ میں نہیں ہے، کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ کسی شاعر کے احساسات و جذبات کو کوئی اور کسی اور زبان میں منتقل کرسکے، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ شعر کے پیش پا افتادہ بھرپور مفہوم کی بھی اکثر مقامات پر ناقص تعریب ہوئی ہے، یہ تو رہی اردو جیسی کم عمر اور نسبتاً محدود زبان کی بات، عربی زبان تو ایک دریائے ناپیدا کنار ہے۔

سوال: -حدائق بخشش حصہ سوم کی اشاعت میں کون سا امر مانع ہے؟

جواب: -میرے خیال میں اس کی اشاعت میں کچھ دشواریاں ہیں، اس میں ایک قصیدہ

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مدح میں ہے، اس کے چند اشعار پر ماضی میں بڑی لے دے ہو چکی ہے، مولوی محبوب علی خان صاحب کو توبہ نامہ شائع کرنا پڑا، ایک دوسرے بزرگ نے وکیل صفائی کے طور پر کہا کہ یہ اشعار سیدہ عائشہ سے متعلق نہیں ہیں بلکہ ان گیارہ مشرک عورتوں کے لیے ہیں جن کا ذکر حدیث ام زرع میں ہے، وہ اشعار یہ ہیں

یاد وہ مجمع رنگین عروسان حجاز
اور پیماں کہ چھپائیں گی نہ حال شوہر
تنگ و چست ان کا لباس اور وہ جوبن کا ابھار
مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر
یہ پھٹا پڑتا ہے جوبن مرے دل کی صورت
کہ ہوئے جاتے ہیں جامہ سے بروں سینہ و بر

میرے نزدیک یہ اشعار مشرک عورتوں کے لیے نہیں کہے گئے ہیں، میں اسے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ حیا میں ایک عقیدت کیش کی جسارت سمجھتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت جیسے حیا اور ایمان والے کے بارے میں یہ سوچنا بھی گناہ ہے کہ ایسے اشعار انہوں نے عورتوں کے لیے کہے ہوں گے، خواہ وہ عورتیں مشرک ہی کیوں نہ ہوں۔ غالباً انہی چند معترضہ فیہ اشعار کی وجہ سے اس کی اشاعت نہیں ہو رہی ہے، لیکن اب اسے ''باقیات رضا'' کے نام سے شائع کر دینا چاہیے اور ان معترضہ فیہ اشعار کے تعلق سے جو وقیع مقالہ مفتی مطیع الرحمن صاحب نے تحریر کیا ہے اسے بھی اس میں شامل کر لینا چاہیے۔

سوال: آپ نے اعلیٰ حضرت کو عقیدت کے ساتھ پڑھا ہے یا ان کے تبحر علم سے متاثر ہو کر آپ کے دل میں ان کی عقیدت نے گھر کیا ہے؟

جواب:- میں جب دارالعلوم اشرفیہ میں زیر تعلیم تھا اس وقت اعلیٰ حضرت کا ایک رسالہ بھی میری نظر سے نہیں گزرا تھا، صاف ظاہر ہے کہ اپنے بزرگوں سے بالخصوص استاذی الکریم حضور

حافظ ملت علیہ الرحمہ سے ان کے علم وفضل کی تعریف سن کر میرے دل میں عقیدت واحترام کا جذبہ پیدا ہوا اور جب اعلیٰ حضرت کی کتابوں کے مطالعہ کی توفیق ہوئی تو یہ عقیدت دوآتشہ ہوگئی، میرے خیال میں اعلیٰ حضرت کے فکر وفن پر تحقیق اور ریسرچ کرنے والے جماعت کے افراد اگرچہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ یکسر غیر جانب دار ہوکر خالص علمی نقطۂ نگاہ سے ریسرچ کا کام کر رہے ہیں لیکن ان کا حال مجھ سے دگرگوں نہیں ہے، فرق یہ ہے کہ......ع

بعض می پوشند و ما در آفتاب افگندہ ایم

سوال:- ''حیات اعلیٰ حضرت''، مفتی مطیع الرحمن صاحب نے از سرنو ایڈٹ کیا ہے، آپ نے اسے ملاحظہ کیا؟

جواب:- مکتبۂ امجدیہ سے میں نے اس کتاب کے مکمل حصے خریدے تھے لیکن اطمینان سے پڑھنے کا موقع میسر نہیں آیا، جستہ جستہ دیکھا ایک شعر پر نظر ٹھہر گئی، مفتی صاحب نے اصلاح فرمادی ہے:

چشیدہ باشی بہ تیغ قضا من آنستم
شنیدہ بودی بہ احمد رضا من آنستم

یہ شعر پہلی اشاعت میں غالباً یوں مطبوع ہے۔

چشیدہ باشی ز تیغ قضا من آنستم
شنیدہ بودی احمد رضا من آنستم

اعلیٰ حضرت کے اصل شعر کا نہ یہاں پتا ہے نہ وہاں، ملک العلما کے پہلے نسخہ میں دونوں مصرعے برابر نہیں تھے، مفتی صاحب نے انہیں برابر کرنے کے لیے دوسرے مصرع میں ''بہ'' کا اضافہ کردیا جب کہ پہلے مصرع کے ز (یا بہ) کو حذف کر کے بھی مصرعے برابر کیے جاسکتے تھے، مفتی صاحب خود بھی شاعر ہیں، نقد وادب پر گہری نظر رکھتے ہیں لیکن یہاں ان سے چوک ہوگئی اعلیٰ حضرت کا اصل شعر یوں ہے۔

چشیدہ باشی تیغ قضا من آنستم
شنیدہ بودی احمد رضا من آنستم

اعلیٰ حضرت جہاں باطل کے خلاف محاذ آرا ہوتے تھے یا اپنے مخالفوں کے مقابل صف آرا ہوتے تھے وہاں تحدیث نعمت کا اظہار کرتے ہوئے اکثر فن کا بھی مظاہرہ فرماتے تھے، یہاں مذکورہ شعر میں تسکین اوسط کا زحاف ہے جسے اہل عروض ہی سمجھ سکتے ہیں، اگر اس شعر کے دونوں مصرعوں کو بہ کے اضافہ کے ساتھ پڑھا جائے تو باشی اور بودی میں سقوطی کا عیب پیدا ہو جائے گا جو فارسی نظم میں جائز نہیں ہے، یہی زحاف اس قطعہ میں بھی ہے، اس کا نزلہ بھی اپنے مخالف پر ہی گرایا گیا ہے۔

سینہ شود منشرح بحر شود منسرح
قطرۂ خود را اگر حکم چکیدن کنم
در دل مضموں ہزار جائے بکاغذ نماند
پس سخنم صدر وار مطوی و مسکن کنم

یہاں پر بعض اہل ذوق ''در دل مضموں ہزار'' کے دل کو اضافت کے ساتھ پڑھ کر مصرع موزوں کرتے ہیں اور شعر کے مفہوم کو اپنی عقیدت کے حوالے کر دیتے ہیں۔

سوال:- کنز الایمان کے تعلق سے ہند و پاک میں بہت سے مضمون لکھے گئے ہیں، ان میں ڈاکٹر محمد صابر سنبھلی صاحب کا طویل مضمون زیادہ پسند کیا گیا ہے، آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب:- میں سمجھتا ہوں سنبھلی صاحب نے فاضل بریلوی کی عقیدت میں جو کچھ لکھا ہے اس کا ثواب انہیں ملے گا، لیکن علمی دنیا میں انہوں نے اپنا وقار کھو دیا ہے، آپ موصوف کا انداز تحریر ملاحظہ کیجیے، ایک فرد سے عقیدت اور دوسرے سے نفرت ہر رشحۂ قلم سے عیاں ہے، اس لیے میں اسے کنز الایمان کا لسانی جائزہ نہیں سمجھتا بلکہ ایک عقیدت کیش کا ہدیۂ خلوص سمجھتا ہوں۔

اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ ترجمہ کا جو عیب انہیں شاہ عبدالقادر کے یہاں نظر آیا، اسے یہ کہہ کر چھپانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اردو کا وہ عہد طفلی تھا، زبان کا تشکیلی دور تھا، وغیرہ کیونکہ شاہ صاحب کا شمار ہماری جماعت کے اکابر میں ہوتا ہے، اگر موصوف کو فی الواقع علمی اعتبار سے جائزہ لینا تھا تو اعلیٰ حضرت کے بعد ایک اور ترجمہ معارف القرآن بھی شائع ہوا ہے اس کو بھی

مطالعہ کی میز پر سجانا تھا، لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے، اسی سے نیت ظاہر ہے۔

لفظ ''کڑوڑا'' پر جو اعتراض تھا اس کو دور کرنے کے لیے لغات کے حوالے دیے جا رہے ہیں، لغت میں تو تمام ایسے الفاظ درج ہیں جن کو متروک ہوئے صدی گزر گئی، سنبھلی صاحب کو چاہیے تھا کہ اپنی بات کو مؤکد کرنے کے لیے اعلیٰ حضرت کے عہد کے اہل زبان کے کلام سے استشہاد کرتے تا کہ یہ ثابت ہوتا کہ اعلیٰ حضرت کے زمانے میں اس لفظ کا چلن تھا۔ میں لفظ

یونہی ایک آیت شریفہ کے ترجمہ میں مولانا محمود حسن نے ''صور'' کو مونث استعمال کر دیا تو جیسے قیامت آ گئی۔ (حالانکہ یہ کتابت کی غلطی بھی ہو سکتی ہے) سنبھلی صاحب کو اس قسم کے اعتراض کرنے اور الفاظ کے تیر ونشتر چلانے سے پہلے یہ بھی دیکھنا چاہیے تھا کہ تذکیر وتانیث کی اس قسم کی مثالیں کنز الایمان میں بھی تو نہیں ہیں؟ اسی طرح مولانا محمود حسن نے ایک آیت شریفہ کا ترجمہ کیا ہے ''قسم دھوپ چڑھتے وقت کی اور رات کی جب چھا جائے'' یہاں اپنے مبلغ علم کا مظاہرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''رات چھا جانا اہل زبان کا روزمرہ نہیں ہے، اندھیرا چھا جانا، تاریکی چھا جانا، بادل چھا جانا تو استعمال میں ہیں، رات چھا جانا کہیں تحریر میں نظر نہیں آیا۔'' سنبھلی صاحب سے گزارش ہے کہ کنز الایمان کا ایک بار بالاستیعاب مطالعہ فرمائیے، آپ کو کنز الایمان ہی میں رات چھانا (چھانا اور چھا جانا میں مسئلہ ما نحن فیہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے) مل جائے گا۔

اسی طرح بتلانا، دکھلانا کو متعدی المتعدی قرار دے کر مترجم پر خوب خوب پھبتی کسی گئی ہے، اگر متعدی المتعدی سے موصوف کی مراد تعدیہ بدو مفعول ہے تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دکھانا اور دکھلانا، بتانا اور بتلانا ایک ہی معنی میں ہے، محض تلفظ بدلا ہوا ہے، تعدیہ بدو مفعول کی مثال بھیجنا سے بھجوانا، پکڑنا سے پکڑوانا ہے۔ نیز دکھلانا وغیرہ اعلیٰ حضرت کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے، اس لیے اس قدر گرجنے برسنے کی ضرورت نہیں تھی، ساری چھینٹیں اعلیٰ حضرت کے دامن پر آ رہی ہیں۔ یہ تو محض چند مثالیں ہیں، کنز الایمان کے لسانی جائزہ پر میرے مضمون کا انتظار کیجیے۔

سوال:۔ چند ماہ قبل ڈاکٹر صابر سنبھلی صاحب نے قرآن کی جدید ترجمہ نگاری کے تعلق

سے میرے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ ''اب بھی کنز الایمان کے بعد نیا ترجمہ کرنا منہ چڑانا ہے'' آپ اس سے کہاں تک متفق ہیں؟

جواب:- مجھے اتفاق نہیں ہے، زبان کا ارتقائی عمل جاری ہے، اسلوب نگارش میں فرق آیا ہے، لفظیات بدلی ہیں، سیکڑوں الفاظ جو کبھی ادب عالیہ کا حصہ تھے متروک ہو چکے ہیں، نئے نئے الفاظ سے زبان کا دامن بھرتا جا رہا ہے، علم اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے، اس لیے یہ دعویٰ کرنا کہ ''اب بھی کنز الایمان کے بعد نیا ترجمہ کرنا منہ چڑانا ہے'' عقیدت کیشی کے ساتھ حقیقت پوشی بھی ہے۔ اگر کنز الایمان کا غیر جانب دارانہ جائزہ لیا جائے تو اس میں بہت سے ایسے الفاظ ملیں گے جن سے عام قاری کے کان آشنا نہیں ہیں، جنہیں سنبھلی صاحب نے علاقہ روہیل کھنڈ کی ٹکسالی زبان کا نام دیا ہے، یہ اقرار بجائے خود اس بات کا اعتراف ہے کہ کہیں کہیں ''ٹکسالی اردو'' کی جگہ ''علاقائی بولی'' کا استعمال کیا گیا ہے، افسوس اس بات کا ہے کہ زبان وادب میں بھی عقیدت محضہ کی گھس پیٹھ شروع ہوگئی ہے، ڈاکٹر صابر سنبھلی نے حسن بریلوی کے کلام کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ حسن بریلوی کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا ورنہ بیخود دہلوی وغیرہ کی جگہ حضرت حسن بریلوی فصیح الملک داغ دہلوی کی جانشینی کے مستحق تھے (ملخص) یہ عبارت صرف اس لیے معرض وجود میں آئی تا کہ اعلیٰ حضرت کے وسیع وعریض حلقۂ اثر میں رسوخ قائم کیا جا سکے اور جماعت کے بھولے بھالے افراد کو جنہیں زبان وادب سے دلچسپی نہیں ہے، اپنے ڈاکٹر ہونے کا احساس دلایا جائے، اگر چہ یہ بات حلقۂ ارادت میں کانوں کو بھلی معلوم ہوگی لیکن زبان وادب کا اس سے کیا سروکار؟ سنبھلی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ سیدنا غوث اعظم کی اولاد امجاد میں منشی سید وحید الدین بیخود دہلوی کے سر پر اکابر دہلی کے اجلاس میں فصیح الملک داغ دہلوی کے برادر مرزا خورشید عالم بہادر نے دستار خلافت باندھی تھی، خواجہ الطاف حسین حالی نے اس اجلاس میں شریک نہ ہو سکنے کا افسوس کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''خود حضرت داغ دہلوی بھی جناب بیخود کو اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے۔'' کیا سارے حاضر باش شعراء واکابر جن میں اکثریت فصیح الملک کے شاگردوں کی تھی، سب کے سب حضرت حسن بریلوی سے

کدر رکھتے تھے؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ اب جبکہ میری تحریر کے ذریعہ سنبھلی صاحب کو معلوم ہوگا کہ بیخود دہلوی سیدنا غوث اعظم کی اولاد امجاد سے تھے تو عقیدت کا قبلہ بدل جائے گا۔

سوال:- مولانا عبد الستار ہمدانی صاحب کی کتاب ''فن شاعری اور حسان الہند'' پر آپ کی تحریر ہندو پاک میں کافی چرچے میں رہی ہے، ویسے اس تعلق سے ذاتی طور پر آپ کو کس قسم کے ردعمل کا سامنا کرنا پڑا؟

جواب:- میرے مضمون کی آخری قسط جب پریس میں تھی ان دنوں میں لبنان میں تھا، بعض احباب نے فون اور SMS کے ذریعہ مبارکباد دی، پھر جب دہلی آیا تو یہاں کے احباب بھی خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آئے، مبارک پور کی حاضری میں بعض علما جو شعر و سخن کا ستھرا ذوق رکھتے ہیں، مجھ سے ملے اور کہا کہ آپ نے وقت کی ایک اہم ضرورت پوری کی ہے، لیکن میں جانتا ہوں کہ ان میں سے کتنے ایسے ہیں کہ جو ''میرے منہ پر مجھ جیسی اس کے منہ پر اس جیسی'' کا مزاج رکھتے ہیں۔ اس لیے مجھے صحیح اندازہ نہیں ہے کہ میرے مضمون پر عام تاثر کیا رہا۔ تملق کلچر سے ہمارا معاشرہ زوال پذیر ہو رہا ہے، اس ضمن میں ایک واقعہ سن لیجیے۔ ممبئی کے جس عظیم الشان اجلاس میں مفتی شریف الحق صاحب کو چاندی سے تولا گیا، میں بھی شریک تھا اور مفتی صاحب کی شان میں تہنیت کے چند اشعار پیش کیے تھے، حضرت امین ملت کے ایما پر محترم اشرف میاں صاحب نے اسٹیج پر مجھے انعام سے نوازا تھا، پھر مارہرہ مطہرہ کی جو شال حضرت امین ملت نے مفتی صاحب کے کندھے پر ڈال دی تھی، انہوں نے اتار کر میرے کندھے پر ڈال دی، **فالحمد للّٰہ**! دوسرے دن جب میں حضرت مخدوم مہائمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں حاضری دینے گیا زینے پر ایک معروف عالم دین و سجادہ نشین سے ملاقات ہوگئی، انہوں نے دیکھتے ہی مجھے گلے سے لگا لیا اور کہا کہ سبحان اللہ! آپ نے اتنی شاندار تہنیتی نظم سنائی تھی کہ جی خوش ہو گیا، چاندی سے تولے جانے کے اصلاً مستحق تو آپ تھے۔ یہ بات انہوں نے مجھ سے اکیلے میں کہی، دوسروں کے سامنے ہرگز نہیں کہہ سکتے تھے۔ اس لیے میرے مضمون پر عام تاثر کیا رہا مجھے اس کا صحیح علم نہیں ہے، اتنا ضرور ہے کہ کوئی معترض بن کر میرے سامنے نہیں آیا، البتہ

اس انٹرویو کے بعد جو تاثر ہوگا اس کا مجھے قدرے اندازہ ہے لیکن ۔

سر پر ہوائے ظلم چلے سو جتن کے ساتھ
اپنی کلاہ کج ہے اسی بانکپن کے ساتھ

میرا عقیدہ یہ ہے کہ حقیقت پر عقیدت مستزاد ہو تو یہ اچھی بات ہے لیکن جو عقیدت حقیقت کا ستیاناس کر دے وہ ہر گز قابل قبول نہیں۔

سوال :- کچھ مولانا ظفر ادیبی کے بارے میں بتائیے، سنا ہے وہ مسلک اعلیٰ حضرت سے اختلاف کرتے تھے؟ **جواب :-** اس کا جواب تفصیل طلب ہے، مختصراً عرض کر رہا ہوں۔

مولانا ظفر ادیبی اشرفیہ کے قابل فخر اساتذہ میں تھے، مفکر اسلام کے لقب سے مشہور زمانہ تھے، اشرف العلما سید حامد اشرف، محدث کبیر مولانا ضیاء المصطفیٰ، مولانا سید اظہار اشرف، مولانا مشاہد رضا خاں اور مولانا سید کمیل اشرف جیسے ارباب فضل و کمال کے استاد تھے، ۱۹۷۱ء میں بعض نظریاتی اختلاف کی وجہ سے انہوں نے اشرفیہ سے اپنا تعلق ختم کر لیا تھا، حسام الحرمین کی حرف بہ حرف تصدیق کرنے سے انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ کتاب اللہ کے سوا کسی کتاب کی حرف بہ حرف تصدیق نہیں کی جاسکتی، یہ جو کہا جاتا ہے کہ حافظ ملت نے انہیں بد عقیدگی کی وجہ سے اشرفیہ سے نکال باہر کیا تھا، غلط ہے۔ مختصر یہ کہ نظریاتی اختلاف، لفظ کملی پر مفتی اشرفیہ کے فتویٰ کے خلاف آں موصوف کی تحریر، ''مسلک اعلیٰ حضرت'' کے لفظ سے ان کی ناپسندیدگی جیسے بنیادی اسباب سے ان کے اور اشرفیہ کے مدرسین کے درمیان فاصلہ بڑھتا رہا۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا وہ ''مسلک اعلیٰ حضرت'' نام کو پسند نہیں کرتے تھے، یونہی وہ لفظ ''بریلوی'' کا الحاق بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ سنی حنفی بریلوی اسے کیونکر گوارا کر سکتے تھے، اس لیے ۱۹۷۱ء کے بعد مولانا ظفر ادیبی صاحب مختلف طرح کے شکوک و شبہات کے دائرے میں آ گئے۔ طرفہ یہ کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی قاسم نانوتوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی کے بارے میں اعلیٰ حضرت کے فتویٰ اور یہ کہ **من شک فی کفرہ و عذابہ فقد کفر** کے تعلق سے آپ کیا کہتے ہیں؟ تو

جواباً انہوں نے کہا کہ مولوی اسماعیل دہلوی کی تکفیر علامہ فضل حق خیرآبادی نے کی ہے اور اس میں بھی کہا گیا ہے کہ من شک فی کفرہ و عذابہ فقد کفر پھر اعلیٰ حضرت نے سکوت کیوں اختیار فرمایا؟

اس معاملہ کی سچائی جاننے کے لیے ۶/جولائی ۲۰۰۳ء کو میں اور مولانا عبید اللہ خان ممبر پارلیمنٹ کے ماموں مولانا عبدالجبار خان صاحب علامہ ظفر ادیبی کے در دولت پر حاضر ہوئے، تقریباً ساڑھے تین گھنٹہ تک گفتگو کا دور چلتا رہا، جیسے ہی ہم نے عناصر اربعہ کے تعلق سے گفتگو کا آغاز کیا، علامہ نے ہماری بات کا رخ موڑتے ہوئے کہا کہ پہلے یہ بتائیے کہ جب علامہ فضل رسول بدایونی اور مولانا فضل حق خیرآبادی نے مولوی اسماعیل دہلوی کی تکفیر کی اور یہ بھی لکھا کہ من شک فی کفرہ و عذابہ فقد کفر اس کے باوجود اعلیٰ حضرت نے کف لسان کیوں کیا؟ اس پر مولانا عبدالجبار خان نے کفر فقہی اور کفر کلامی کی بحث چھیڑ دی، علامہ نے کہا کہ مولانا فضل حق خیرآبادی کی تحریر کو غور سے پڑھیے، ان کا فتویٰ دونوں اعتبارات کا احاطہ کرتا ہے۔ اثنائے گفتگو کسی نے کہا کہ اگر اعلیٰ حضرت نے سکوت کیا ہے تو وجہ سکوت بھی تو تحریر کی ہوگی؟ مولانا عبدالجبار خان نے کہا کہ اس کا مجھے علم نہیں ہے، پھر ہم لاحاصل گفتگو کے بعد الجامعۃ الاشرفیہ گئے۔ مولانا محمد احمد مصباحی صاحب سے پوچھا کہ اعلیٰ حضرت نے مولوی اسماعیل دہلوی کی تکفیر سے کف لسان کیا ہے، اس کی وجہ اعلیٰ حضرت نے کیا تحریر فرمائی ہے؟ مصباحی صاحب نے کہا کہ وجہ سکوت کے بارے میں اعلیٰ حضرت کی کوئی تحریر میری نظر سے نہیں گزری۔

پھر دوبارہ ۱۳/ستمبر ۲۰۰۵ء کو میں اور ڈاکٹر شکیل اعظمی ایک منضبط تحریر لے کر علامہ ظفر ادیبی کے یہاں گئے، علامہ سے تادیر گفتگو رہی، پھر ہم نے ایک منضبط تحریر پیش کی جو مندرجہ ذیل ہے:

(۱) ''مولوی اشرف علی تھانوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے بارے میں لکھا:

''پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب

ہے یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی کیا تخصیص ہے، ایسا علم غیب تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔" (حفظ الایمان ص:۱۵)

(۲) "الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان وملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے، شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔" (البراہین القاطعہ ص:۵۵)

(۳) "بلکہ بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا، چہ جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجیے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔" (تحذیر الناس ص:۲۵)

(۴) "عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں، مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تأخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں، پھر مقام مدح میں **ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین** فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔" (تحذیر الناس ص:۳)

(۵) "بلکہ بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے"۔ (تحذیر الناس ص:۱۴)

اس منضبط تحریر کو پڑھ کر مولانا ظفر ادیبی نے اپنا واضح موقف یوں املا کرایا:

"میں مندرجہ بالا اقوال میں علمائے بدایوں، علمائے رامپور، علمائے فرنگی محل،

علمائے خیر آباد اور علمائے پھلواری شریف یعنی جمہور علمائے اہل سنت کے ساتھ ہوں، جو ان کا مسلک ہے وہی میرا مسلک ہے، یعنی تکفیر اہل قبلہ کے بارے میں جو ان کا مسلک ہے وہی میرا مسلک ہے۔''

جہاں تک اعلیٰ حضرت سے نظریاتی اختلاف کی بات ہے، اس ایک فتویٰ کے علاوہ کتابت نسواں کے بارے میں علامہ ظفر ادیبی کو اعلیٰ حضرت کے فتویٰ سے اختلاف تھا اور اس قول سے سخت ناگواری کا اظہار کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں ازواج مطہرات کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں، اس کے علاوہ مجھے اور کسی اختلاف کا علم نہیں ہے۔

سوال:- اخیر میں جام نور کے لیے آپ کا کوئی پیغام؟

جواب:- ماشاء اللہ جام نور یوماً فیوماً روبہ ترقی ہے، مضامین معیاری اور عصری تقاضوں کے مطابق ہوتے ہیں، دانشور طبقے کو اگلے شمارے کا انتظار رہتا ہے، یہ کسی جریدہ کی مقبولیت کا کھلا ہوا ثبوت ہے، خامہ تلاشی کے کالم نے اس کی افادیت اور معنویت میں چار چاند لگا دیے ہیں، اللہ اسے دوام واستحکام بخشے۔

(ماہنامہ جام نور، اگست ۲۰۰۶ء)

حرف روی

امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کا مشہور قصیدہ ''قصیدۂ معراجیہ'' جس کا مطلع ہے

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرف کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

اردو ادب کا ایک عظیم اور گراں مایہ سرمایہ ہے اور اپنی چند در چند خصوصیات کے سبب منفرد و ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن مضمون زیر نظر میں نہ تو اس کے اسلوب بیان کی توضیح مطلوب ہے نہ اس کے مضامین کے تنوع سے بحث بلکہ علم القوافی کے نقطۂ نظر سے ایک غلطی کا ازالہ مقصود ہے جس کی نسبت غلط طور پر قصیدے کے بعض قوافی کی طرف کر دی گئی ہے۔

مجلس رضا لاہور سے ایک کتاب ''جہان رضا'' 1401ھ میں شائع ہوئی ہے جس کی دوبارہ اشاعت المجمع الاسلامی مبارک پور اعظم گڑھ سے ''کلام رضا'' کے نام سے عمل میں آئی ہے۔ یہ کتاب دو مقالات کا مجموعہ ہے جس میں سے ایک طویل مقالہ جناب اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی کا ہے۔ اس مقالہ میں ''حدائق بخشش'' کا علمی و فنی جائزہ لیا گیا ہے اور اس کے محاسن کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن ایک مقام پر فاضل مقالہ نگار سے زبردست غلطی ہوگئی ہے۔ یہی غلطی اس مضمون کی محرک ہے۔

فاضل مقالہ نگار رقم طراز ہیں:

''حرف روی قافیہ کا وہ آخری حرف ہے جو بار بار آتا ہے۔ اسی پر قافیہ کی بنیاد ہوتی ہے۔ وہ قافیہ کا حرف اصلی ہوتا ہے۔ اضافی نہیں ہوتا جیسے چمن سخن سمن وغیرہ میں نون حرف روی ہے اور ان قوافی کا اصلی حرف ہے

اضافی نہیں ہے۔ (چند سطروں کے بعد) ان مثالوں سے واضح ہوگیا کہ اگر اضافی حرف کو ہٹا دیں تو قوافی کا حرف روی ایک ہی ہونا چاہیے۔ حرف روی مختلف ہوجائیں تو وہ الفاظ ہم قافیہ نہ رہے۔ لہٰذا قوافی میں ایطا کا نقص ہے۔ اسی لیے مولانا نے قصیدے کے آخری مصرع میں اشارہ کردیا ہے کہ ''روی تھی کیا کیسے قافیے تھے''۔ (کلام رضا ص:71)

میں قارئین پر واضح کردینا چاہتا ہوں کہ قصیدہ میں ایطا کا شائبہ تک نہیں ہے۔ اس کے علی الرغم قصیدہ میں فن عروض اور علم القوافی کی نزاکتوں کی اس قدر رعایت کی گئی ہے جو اساتذۂ فن کے کلام میں خال خال پائی جاتی ہے۔ بے شبہ حرف روی قافیہ کا مدار ہوتا ہے اور یہ اصلی حرف ہوتا ہے۔ لیکن حقیقۃ الامر یہ ہے کہ (الف) مطلع کے دونوں قوافی میں سے ایک قافیہ میں حرف روی اصلی ہوتو قافیہ کا تحقق ہوجاتا ہے۔ نیز (ب) ایطا کا نقص صرف مطلع میں ہوا کرتا ہے۔ اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ حرف روی کی تین صورتیں ممکن ہیں۔

(۱) مطلع کے ہر دو قافیہ میں حرف روی اصلی ہو جیسے جفا، وفا۔ یہاں (الف) روی اصلی ہے کلمہ کا جز ہے اگر اس کو ہٹا دیا جائے تو لفظ بے معنی رہ جاتا ہے۔ یا جیسے خطا صدا یہاں بھی الف روی اصلی ہے اگر چہ الف ہٹا دینے کے بعد لفظ بے معنی نہیں رہ جاتا لیکن خطا اور صدا کے معنی میں نہیں رہ جاتا۔

(۲) ہر دو قافیہ میں سے ایک کا حرف روی اصلی ہو دوسرے کا اضافی جیسے زندگی دشمنی یہاں پہلی ی اصلی ہے اور دوسری اضافی۔

(۳) ہر دو قافیہ میں حرف روی اضافی ہو جیسے کہا سنا

مذکورہ بالا صورتوں میں نمبر 1 میں قافیہ کا تحقق جانبین سے ہے۔ نمبر 2 میں ایک روی اصلی قافیہ کی بنیاد قائم کئے ہوئے ہے اور نمبر 3 میں سرے سے روی کا تحقق ہی نہیں ہوسکا۔ اور اگر کہا سنا کی جگہ رہا کہا کردیا جائے تو الف ہٹا دینے کے بعد رہ کہہ رہ جاتا ہے جو بامعنی بھی ہیں اور ہم قافیہ بھی۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو حرف گرایا گیا ہے وہ حرف روی تھا ہی نہیں ورنہ

کلمہ کی موجودہ ساخت اپنے اصلی معنوں میں موضوع نہ رہ جاتی لامحالہ ماننا پڑے گا کہ رہا کہا میں حرف روی ہ ہے اور الف نے افادۂ وصل کر کے حرف روی کو متحرک کر دیا ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ حرف روی کے لیے قافیہ کا آخری حرف ہونا ضروری نہیں ہے جیسا کہ موصوف کی عبارت سے ظاہر ہے۔ اس کی مزید تصریح یہ ہے کہ حروف قافیہ تعداد میں نو (۹) ہیں چار ردف قید تاسیس اور دخیل روی سے پہلے آتے ہیں اور چار حروف وصل خروج مزید نائرہ روی کے بعد آتے ہیں۔

تصریحات بالا سے یہ واضح ہوگیا کہ مطلع میں ایک روی اصلی کا ہونا بھی صحت قافیہ کے لئے کافی ؟ ہے۔ بعض ماہرین علم القوافی نے یہ سفارش کی ہے کہ اگر مطلع میں روی اصلی کا التزام کیا جائے تو بہتر یہ ہے کہ باقی اشعار میں بھی اس کا لحاظ رکھا جائے اور اگر باقی اشعار میں روی اصلی و روی اضافی مخلوط ہوں تو احسن طریقہ یہ ہے کہ مطلع میں روی اصلی و روی اضافی کا تناظر عمل میں لایا جائے۔ امام احمد رضا کے کمال فن کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ جب انھیں اس قصیدہ میں اصلی اور اضافی دونوں طرح کی روی کا استعمال کرنا ہوا تو پہلے انھوں نے مطلع کے ذریعہ اس کا اعلان کر دیا۔

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے.................روی اضافی
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے......روی اصلی

اس قصیدہ کے آخری مصرع سے غلطی سے یہ نتیجہ اخذ کرلیا گیا ہے کہ خود امام احمد رضا فاضل بریلوی کو اس امر کا احساس تھا کہ قصیدہ کی روی اور قافیہ میں کوئی نہ کوئی اشکال ضرور موجود ہے جیسا کہ آں موصوف کی عبارت سے ظاہر ہے۔ حالاں کہ اگر ادنیٰ تامل سے کام لیا جائے تو مطلب بالکل صاف ہے کہ قصیدہ کا اصل مدعا ''ثنائے سرکار اور تمنائے قبولیت'' ہے۔ ظاہر ہے کہ اس جذبۂ ایمانی کے سامنے روی اور قافیہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

پورا شعر یہ ہے:

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبول سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا روی تھی کیا کیسے قافیے تھے

بلکہ اس شعر میں ''قافیے'' کو جس خوب صورتی کے ساتھ قافیہ کے قالب میں ڈھالا گیا ہے، یہ شاعر کے کمال فن اور قدرت سخن پر دلالت کرتا ہے۔

آخر میں یہ بندۂ آثم حضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے حضور میں ایک رباعی کا نذرانہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے:

اے صاحب عز و جاہ اعلیٰ حضرت
اے علم وہنر پناہ اعلیٰ حضرت
باندی ہے روی تیری قوافی ہیں غلام
اے ملک سخن کے شاہ اعلیٰ حضرت

(ماہنامہ ماہ نور دہلی، اگست ۲۰۰۸ء)

سوانحی خاکہ

نام: فضل الرحمٰن (ایف آر شرؔر مصباحی)

ولدیت: الحاج عبدالسمیع

تاریخ ولادت: 15 جون 1944ء

مسقط الرأس: محلہ کٹرہ، پوسٹ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، اتر پردیش

تعلیمی لیاقت:

☆ فاضل دینیات، دارالعلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور، اعظم گڑھ

☆ مولوی، عربی وفارسی امتحانات بورڈ، الہ آباد، اتر پردیش

☆ عالم، عربی وفارسی امتحانات بورڈ، الہ آباد، اتر پردیش

☆ فاضل ادب (عربی)، لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ، اتر پردیش

☆ ایف ایم بی ایس، بورڈ آف انڈین میڈیسن اتر پردیش، لکھنؤ

تدریس:

☆ معین المدرسین، دارالعلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور، اعظم گڑھ (دوران تعلیم تین سال تک)

☆ ڈیمانسٹریٹر، تکمیل الطب کالج، لکھنؤ، اتر پردیش (1972 سے 1979 تک)

☆ لکچرر، ایسوسی ایٹ پروفیسر، اے اینڈ یو طبیہ کالج، دہلی یونیورسٹی، دہلی (1979 سے 2004 تک)

اضافی عہدے/ذمہ داریاں

- ☆ ریزیڈینٹ میڈیکل آفیسر، تکمیل الطب کالج لکھنؤ، اتر پردیش
- ☆ اسسٹنٹ پروکٹر، تکمیل الطب کالج لکھنؤ، اتر پردیش
- ☆ فزیشین، تکمیل الطب کالج اسپتال برانچ قیصر باغ لکھنؤ، اتر پردیش
- ☆ چیف ایڈیٹر، تکمیل الطب کالج میگزین، تکمیل الطب کالج لکھنؤ، اتر پردیش
- ☆ گیمس سپرنٹنڈنٹ، تکمیل الطب کالج لکھنؤ، اتر پردیش
- ☆ سکریٹری، آل انڈیا ہندی اردو سنگم، اتر پردیش اسٹیٹ
- ☆ ایڈیٹر، ہمارا سنگھرش (اردو)، آل انڈیا سنڈیکیٹ کانگریس، اتر پردیش
- ☆ صدر شعبۂ معالجات، اے اینڈ یو طبیہ کالج، دہلی یونیورسٹی، دہلی
- ☆ ڈپٹی میڈیکل سپرنٹنڈنٹ، اے اینڈ یو طبیہ کالج، دہلی یونیورسٹی، دہلی
- ☆ سرپرست، طبیہ کالج میگزین، اے اینڈ یو طبیہ کالج، دہلی یونیورسٹی، دہلی
- ☆ لائبریری انچارج، اے اینڈ یو طبیہ کالج، دہلی یونیورسٹی، دہلی
- ☆ رکن کورسز کمیٹی، اے اینڈ یو طبیہ کالج، دہلی یونیورسٹی، دہلی
- ☆ رکن ایتھیکل کمیٹی، اے اینڈ یو طبیہ کالج، دہلی یونیورسٹی، دہلی
- ☆ سابق جنرل سکریٹری، آل انڈیا یونانی طبی کانگریس، نئی دہلی
- ☆ سابق نائب صدر، آل انڈیا مومن کانفرنس، دہلی اسٹیٹ
- ☆ سابق سرپرست، آل انڈیا یونانی جوائنٹ ایکشن کمیٹی
- ☆ رکن، لٹریری ریسرچ سب کمیٹی، سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن، وزارت آیوش، حکومت ہند
- ☆ کنسلٹنٹ، یونانی میڈیکل سنٹر، ڈاکٹر رام منوہر لوہیا اسپتال، نئی دہلی
- ☆ کنسلٹنٹ، یونانی اسپیشلیٹی سنٹر، دین دیال اپادھیائے اسپتال، نئی دہلی
- ☆ رکن مجلس شوریٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، اتر پردیش
- ☆ Chair Person, Selection CommiteeTKDL Ministry of Science andTechnology Govt. of India
- ☆ Eminent TKDL Unit, CSIR, Ministry of Science and Techonolgy, Govt. of India

اساتذہ:

- ☆ حافظِ ملّت حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز مرادآبادی
- ☆ حضرت مولانا حافظ عبدالرؤف بلیاوی
- ☆ حضرت علامہ مظفر حسن ظفر ادیبی مبارک پوری
- ☆ حضرت مولانا مفتی عبدالمنان اعظمی مبارک پوری
- ☆ حضرت مولانا قاضی محمد شفیع اعظمی مبارک پوری
- ☆ حضرت مولانا قاری محمد یحیٰ مبارک پوری
- ☆ حضرت مولانا سید حامد اشرف اشرفی جیلانی کچھوچھوی
- ☆ حضرت مولانا سید شمس الحق گجہڑوی
- ☆ پروفیسر صمدی، صدر شعبۂ دراسات شرقیہ، لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ، اتر پردیش
- ☆ پروفیسر سید شبیہ الحسن نونہروی، لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ، اتر پردیش
- ☆ حکیم شکیل احمد شمسی، تکمیل الطب کالج، لکھنؤ، اتر پردیش
- ☆ حکیم محمد مسیح الزماں ندوی، تکمیل الطب کالج، لکھنؤ، اتر پردیش
- ☆ حکیم سید محمد فاروق رضوی، تکمیل الطب کالج، لکھنؤ، اتر پردیش
- ☆ حکیم خواجہ ساجد حسن کشمیری، تکمیل الطب کالج، لکھنؤ، اتر پردیش
- ☆ حکیم محمد احمد صدیقی، تکمیل الطب کالج، لکھنؤ، اتر پردیش
- ☆ حکیم فیاض علی صدیقی، تکمیل الطب کالج، لکھنؤ، اتر پردیش
- ☆ حکیم عبدالجلیل، تکمیل الطب کالج، لکھنؤ، اتر پردیش
- ☆ ڈاکٹر تربینی بہادر، تکمیل الطب کالج، لکھنؤ، اتر پردیش
- ☆ ڈاکٹر محمد اکمل شمسی، تکمیل الطب کالج، لکھنؤ، اتر پردیش
- ☆ ڈاکٹر محمد شعیب، تکمیل الطب کالج، لکھنؤ، اتر پردیش

نامور تلامذہ:

☆ حکیم وسیم احمد اعظمی، سابق ڈپٹی ڈائریکٹر، سنٹرل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ آف یونانی میڈیسن، لکھنؤ (سنٹرل کونسل فار ریسرچ اِن یونانی میڈیسن)

☆ ڈاکٹر محمد شعیب اعظمی، ڈین، فیکلٹی آف یونانی میڈیسن، راجستھان آیوروید یونیورسٹی، جودھپور، راجستھان وسابق ممبر سی سی آئی ایم منسٹری آف آیوش، نئی دہلی

☆ ڈاکٹر محمد سکندر حیات، ڈائریکٹر، یونانی سروسز، حکومت اتر پردیش

☆ ڈاکٹر محمد ادریس خاں، پرنسپل، اے اینڈ یو طبیہ کالج، نئی دہلی

☆ ڈاکٹر قمر الہدیٰ انصاری، انچارج اسلامیہ ہاسپیٹل، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ

☆ ڈاکٹر شارق ظفر، پریسیڈنٹ، ہولسٹک ہیلتھ کیئر اینڈ ریسرچ آرگنائزیشن، مہاراشٹرا

☆ پروفیسر سید محمد اکبر رضوی، اے اینڈ یو طبیہ کالج، نئی دہلی

☆ پروفیسر یوسف جمال، اے اینڈ یو طبیہ کالج، نئی دہلی

☆ ڈاکٹر ایس پی بھٹناگر، سابق پرنسپل، علامہ اقبال یونانی میڈیکل کالج، مظفر نگر، اتر پردیش

☆ پروفیسر رئیس الرحمٰن، سابق صلاح کار (یونانی)، وزارت آیوش، حکومت ہند

☆ ڈاکٹر سید کمال الحوت حفید مفتی لبنان خواجہ محمد درویش، تلمیذ ابن عابدین شامی، صاحب فتاویٰ، بیروت، لبنان

☆ مولانا فداء المصطفیٰ (صاحبزادۂ صدر الشریعہ حضرت مولانا محمد امجد علی)

☆ مولانا علی احمد سیوانی

تصنیفات (مطبوعہ):

☆ نمود سحر

☆ ظہور قدسی

☆ محاسبے

☆ معارضہ بر محاسبے کا محاسبہ

☆ غمزۂ چشم ہمزہ

ایوارڈ:

☆ سروس ڈاکٹرس ایوارڈ 2000/2001 (برائے یونانی)، حکومت دہلی بدست وزیر اعلیٰ، دہلی

☆ حافظ ملت ایوارڈ بدست سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

مرتبہ

ڈاکٹر احمد جمال

ایم ڈی (یو)

مولانا احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کا شمار اردو نعت کے قافلہ سالاروں میں ہوتا ہے۔ اُن کی نعتوں کا مجموعہ "حدائقِ بخشش" کے نام سے جب مطلعِ نعت پر جلوہ گر ہوا تو عاشقانِ رسول ﷺ اور وابستگانِ نعت کے لیے راحتِ فکر ونظر کا باعث ٹھہرا۔ عشق ومحبت کی یہ دستاویز نہ صرف اپنے زمانے میں اہل ادب اور اہل دل کے لیے دامنِ کشِ دل ہوئی بلکہ مابعد زمانوں پر بھی اس نے گہرے اثرات مرتب کیے۔ اس مجموعے میں شامل کلام عشق ومحبت کی نادر اور دل کش کیفیات کا مرقع ہے اور ساتھ ساتھ فنی اور تکنیکی اعتبار سے بھی انفرادیت کا حامل ہے۔ فکر وفن کی ثروت مندی کے باعث یہ مجموعہ ہمارے نعتیہ ادب کا مستقل عنوان قرار پایا اور کئی محققین وناقدین نے اس کے مطالعات پیش کیے، اس کی شرحیں لکھی گئیں اور اس کے فنی وفکری محاسن کو اجاگر کرنے کی کوششیں ہوئیں جو تسلسل اور تواتر کے ساتھ اب بھی جاری ہیں مگر حیرت ہے کہ اس کا متن تدوینی آداب اور تحقیقی اصولوں کے مطابق مرتب نہ ہوسکا۔ کچھ اصحاب علم وفضل نے "حدائقِ بخشش" کی ترتیب وتہذیب کا کام کیا اور درست متن کی پیش کش کا دعویٰ بھی کیا مگر تسامحات اور اغلاط سے پاک متن پیش کرنے میں وہ کامیاب نہ ہوسکے۔ یوں "حدائقِ بخشش" کی مختلف اشاعتوں میں متن کا اختلاف موجود رہا اور مرتبین وناشرین کی غفلت شعاری اور سہل انگاری کے باعث جا بہ جا لسانی اور عروضی مسائل شاملِ متن ہوگئے۔ کئی اہلِ علم نے اس کی طرف توجہ دلائی اور اغلاط کی نشان دہی کی مگر غلط اشاعتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی نے "حدائقِ بخشش" کا تصحیح شدہ متن شائع کیا تو خوشی ہوئی کہ بالآخر عاشقانِ نعت کو "حدائقِ بخشش" کا مستند اور معتبر متن میسر آیا۔ یہاں وہاں اس کا والہانہ استقبال ہوا مگر افسوس! کہ یہ تصحیح شدہ متن بھی اغلاط واسقام سے خالی نہیں۔ زبان وبیان وعروض کے ماہر اور نعت کے اہم محقق وناقد ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی نے اس تصحیح شدہ متن کا جائزہ پیش کیا ہے اور نہایت محنت اور دیدہ ریزی کے ساتھ زبان وبیان اور عروضی اغلاط کی نشان دہی کر کے اس متن کے استناد واعتبار کو سوالیہ نشان بنا دیا ہے۔ شرر مصباحی صاحب کا یہ جائزہ ایک سنجیدہ علمی کاوش ہے جو ناقدین ومحققینِ نعت کے لیے دل چسپی کا باعث ہے اور "حدائقِ بخشش" کے حوالے سے کام کرنے والے طلبہ اور تحقیق کاروں کے لیے یقیناً منفعت رساں ہے۔ خدا کرے کہ یہ جائزہ "حدائقِ بخشش" کے فکری اور فنی پہلوؤں پر مزید مطالعات اور مستند متن کی پیش کش کا محرک ٹھہرے۔

سید صبیح رحمانی

مدیر نعت رنگ، کراچی، پاکستان، ۶ / اگست ۲۰۲۱ء